ہر گھر کی ضرورت

زندوں پر مرنے والوں کے حقوق جیسے حساس اور اہم موضوع پر ایک لاجواب تحریر

موت سے ایصالِ ثواب تک

محمد محبوب الرسول قادری

نوری کتب خانہ۔ لاہور

زندوں پر مرنے والوں کے حقوق جیسے حساس اور اہم موضوع پر ایک لاجواب تحریر

مصنف

محمد محبوب الرسول قادری

نوری کتب خانہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوری کتابیں

بفیضانِ کرم

چک سادہ شریف گجرات

بانی نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور

جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

بفیضانِ نظر

پیر سید محمد حسین شاہ
گیلانی، قادری نوری

پیر سید محمد حسن شاہ
گیلانی، قادری، نوری

نام کتاب: موت سے ایصالِ ثواب تک

مصنف: محمد محبوب الرسول قادری

صفحات: 224

اشاعت: 2012

قیمت: -/175 روپے

قائم شدہ 1945

ناشر

پیر سید محمد عثمان نوری
الگیلانی القادری

برائے رابطہ
042-36366385, 0300-4940055

ملنے کا پتہ

نوری کتب خانہ۔ لاہور

نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

حُسنِ ترتیب

مضامین — صفحہ نمبر

اَلاِہْدَاء

ناچیز اپنی اس کاوش کو بصد ادب و احترام

حضور شیخ الاسلام والمسلمین

قدوۃ السالکین، عمدۃ العارفین، پاسبانِ طریقت و شریعت، جانشین امامِ امت،

حضرت علامہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری الازہری صاحب قبلہ

دامت برکاتہم القدسیہ

زیبِ سجادہ درگاہ رضویہ آستانہ عالیہ بریلی شریف کے اسم گرامی سے منسوب کرتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

گدائے کوچۂ رضا

محمد محبوب الرسول قادری

۱۹۸/۴۔ جوہر آباد ضلع خوشاب۔ پاکستان

0300-9429027

اپنی بات

میزانِ حروف

انتشار وافتراق، بدامنی ومنافقت کی یلغار نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور انتہا یہ ہے کہ دینی حوالے سے بھی ہم چھوٹے سے لے کر بڑے اہم معاملات ومسائل تک باہمی اختلاف رائے سے آگے بڑھ کر ضد وہٹ دھرمی کی معراج کو چھو رہے ہیں۔ جو یقیناً اسلام کی منشا کے خلاف ہے۔ میں نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ خوشی تو خوشی ہے موت کے موقع پر بھی بعض مذہبی لیڈر اپنی اجارہ داری رکھنے کے لیے اور ناموری کے حصول کی غرض سے نت نئے مسائل اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ گویا کوئی اسلام اور کفر کا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے جس کے خلاف جہاد ان پر واجب ہے اور حضرت شور مچا کر اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ہر آنے والا، جانے ہی کے لیے دنیا میں آتا ہے۔ موت اور غم کے موقع پر معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کا جمع ہونا بھی فطری تقاضا ہے اب ظلم یہ ہے کہ اکابرین اسلام اور مشاہیر امت کی راہ سے ہٹ کر نت نئے مسائل گھڑنے کے عمل کو دینی تحقیقی کام کا نام دیا جا رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں بالخصوص نئی نسل کے قلوب و اذہان کو تشکیک کے دلدل میں دھکیل دیا جاتا ہے عذاب قبر اور ایصال ثواب جیسے مفید ترین مسائل کو متنازعہ بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ علامہ تفتازانی نے لکھا ہے ''بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا انکار کیا

ہے کیونکہ میت محض بے جان جسم اور زندگی اور ادراک سے عاری ہے لہٰذا اسے عذاب دینا محال ہے (شرح العقائد، ص 7، علامہ مسعود بن عمر تفتازانی) اسی طرح آج کل کے بعض نام نہاد مواحد کہلانے والے ایصال ثواب کا انکار کر کے اپنے آپ کو روشن خیال سمجھتے ہیں اور اس کے قائلین کو ''بنیاد پرست'' گردانتے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک مرنے کے بعد مرنے والے کو ایک قسم کی زندگی دی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ ثواب وعتاب کا ادراک کرتا ہے۔ ہم کس دور سے گزر رہے ہیں جب نماز جنازہ کے بعد دعاء مغفرت کو ہی ناجائز قرار دیا جا رہا ہے۔

ان حالات میں میرے بعض احباب نے اس طرف متوجہ کیا کہ ان امور پر جمہور کی رائے کو یکجاء کر دیا جائے۔ 1992ء اور پھر 1999ء میں میری یہ کتاب اسی اور دو مختلف ناموں سے شائع ہوئی اور اب اہم اضافوں کے ساتھ ''موت سے ایصال ثواب تک'' کے نام سے شائع کی جا رہی ہے امید ہے قارئین کرم پسند فرمائیں گے۔ یہاں مجھے اپنے بہت پیارے اور عزیز دوست صاحبزادہ سید فیصل عثمان نوری زید مجدہٗ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ نوری کتب خانہ گنج بخش روڈ، لاہور کی طرف سے بہت خوبصورت ''گٹ اپ'' کے ساتھ اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے بلکہ اس کی ترتیب نو کے حوالے سے وہ کافی صبر آزما مراحل بھی گزرے۔ خدا ان کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔

اللہ کرے یہ کتاب میرے لیے اور جملہ قارئین کے لیے دین فہمی کا باعث بنے۔ اہل علم کی رائے کا مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۳ جولائی ۲۰۰۴ء سوا تین بجے دن

محبوب قادری
0300-9429027

دیباچہ

چند سطور صاحب کتاب کے بارے میں

محمد نواز کھرل
ایڈیٹر ماہنامہ اخبار اہلسنت لاہور

نور ایمان سے چمکتی روشن پیشانی...... یقین کی روشنی سے چمکتی آنکھیں......
ادب، محبت اور اپنائیت میں ڈوبا میٹھا لہجہ...... چہرے پر اپنی عمر سے زیادہ متانت اور سنجیدگی کا پہرہ...... ایک متین، درد مند، فہیم دانش مند، اور سلیقہ مند فرد...... سادگی اور شرافت کا مرقع...... وضع داری اور انکساری کا پیکر...... چہرہ مسکراتا ہوا...... آنکھیں سوچ سوچ کر بولتی ہوئیں...... ایک وسیع المطالعہ رائیٹر...... قادر الکلام مقرر...... چھوٹی عمر کا بڑا آدمی......
یہ ہیں عالمی دعوت اسلامیہ (اور اب کاروان اسلام) کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات، ماہنامہ سوئے حجاز لاہور کے مدیر اور بزم انواز رضا جوہر آباد کے بانی صدر...... ملک محبوب الرسول قادری......

جنہوں نے 32 سال قبل پانچ دریاؤں کی دھرتی پنجاب کے مردم خیز ضلع خوشاب کے مشہور شہر جوہر آباد کے ایک وضع دار اور روایتی اقدار کے پاسدار، اعوان گھرانے میں آنکھ کھولی۔ محبوب الرسول قادری دعاؤں کے جھرمٹ میں پلا، بڑھا اور عجب شان سے لڑکپن کی وادیوں میں قدم رکھا۔ خود فراموشی کے عالم میں لکھا پڑھا اور خوشبو کے

تعاقب میں جوانی کی دہلیز تک پہنچا اور پھر یہ بلند آہنگ نوجوان اپنے زمانہ طالب علمی میں پاکستان کی طلبہ سیاست کا ایک اہم کردار بن گیا۔ جواں سال محبوب الرسول نے اسلام اور پاکستان سے ٹوٹ کر عشق کرنے والے طلبہ کی سب سے بڑی تنظیم ''انجمن طلباء اسلام'' کے انقلابی پلیٹ فارم پر مسلسل دس سال تک تگ و تاز کے دوران ناظم ضلع خوشاب سے مرکزی سیکرٹری اطلاعات تک مختلف عہدوں پر کام کیا ایک فعال اور بے حد متحرک طالب علم رہنما کے طور پر ان کی جرات مندانہ جدوجہد کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے اکہرے جسم کے اندر بجلیاں سی بھری ہوئی ہیں۔

انجمن طلباء اسلام سے فراغت کے بعد اس صاحب کمال، صاحب ذوق اور صاحب تدبیر، شیریں کلام نوجوان اور دین کے جواں عمر سپاہی نے بدعقیدگی، لادینیت اور گمراہی کا راستہ روکنے اور عشق رسول ﷺ پر مبنی فکر رضا کے فروغ کے لیے اپنے شہر میں ''بزم انوار رضا'' کی بنیاد رکھی صاحب عمل و ادراک، منضبط، جہاں دیدہ اور مشتاق، محبوب قادری کی زیرِ قیادت اس چھوٹی سی تنظیم کی طرف سے اب تک مختلف اہم موضوعات پر 26 سے زائد پمفلٹ اور ضخیم کتب شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ اس طرح ان کتابچوں میں شائع کی گئی۔ اثر انگیز تحریروں کی روشنی میں لاکھوں افراد اپنے عقیدے اور عمل کی اصلاح کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اب تک بزم انوار رضا کے زیر اہتمام بے شمار مذہبی اجتماعات، کانفرنسوں اور محافل کے انعقاد کے ذریعے لوگوں کو فکر و عمل کا زندہ اور سچا پیغام دینے کی تحریک جاری ہے۔ جہالت کی تاریکیوں میں علم کی روشنیاں عام کرنے کے آرزو مند، محبوب الرسول نے تنظیمی زندگی کے ساتھ ساتھ میدان صحافت میں بھی ششدر کر دینے والے کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک مختلف اخبارات میں ان کے 900 سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ جب کہ مختلف موضوعات پر انہوں نے پچاس سے زائد مسودات تیار کر رکھے ہیں۔ جو تشنۂ اشاعت ہیں۔

سینے میں محبت رسول ﷺ سے دھڑکتا ہوا دل اور ہاتھ میں چمکتا ہوا قلم لے کر میدان تصنیف و تالیف میں قدم رکھنے والے اس عدیم النظیر شخص کی تحریروں میں مجھے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آذان سنائی دیتی ہے۔ جو نمازیوں کے جسموں کو نہیں ان کی روحوں کو بلاتی ہے۔ محبوب الرسول قادری کے مضامین میں ایک ولولہ تازہ اور جذبہ رندانہ نظر آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں جان کائنات ﷺ کی ذات سے والہانہ محبت، سپردگی اور وارفتگی کا قلندرانہ اظہار ملتا ہے۔ دور آباد بستی ''جوہر آباد'' میں مقیم یہ معرکے کا نوجوان دانشور، تخلیقی سرمستی میں سرشار رہتا ہے۔ وہ گمراہی کے خلاف نظریاتی، صحافتی، نشریاتی محاذ پر...... ایک لشکر ہے...... ایک فوج ہے...... ایک سپاہ ہے......

اہلسنت کو نئی عزت مندیوں سے سرفراز کرنے کی آرزوؤں سے بھرا ہوا درد مند دل رکھنے والے ''محبوب الرسول قادری'' کا شمار ان صالح اور باکردار جوانوں میں ہوتا ہے۔ جو اپنی ذات کو کالعدم کر کے نظریاتی بقاء کی جنگ لڑتے ہیں۔ جذبوں سے بھرے لفظ لکھنے والے، قوت خیال سے مالا مال، اس باصلاحیت نوجوان کی خطابت کا جلال و جمال بھی دیکھنے اور سننے کے قابل ہے۔ ان کی تقریر سامعین کی آرزوؤں کا عنوان بن جاتی ہے۔ نجیب الطبع محبوب الرسول قادری نے صحافت اور خطابت کے ساتھ میدان سیاست میں بھی مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔

ان کی جوانی ''جے یو پی'' کی دیوانی ہے۔ قائد اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی سے پہلی ملاقات میں ہی انہیں دل دے بیٹھے اور آج تک یہ نام ان کے دل کی لوح سے کوئی دوسرا سیاست دان نہیں کھرچ سکا۔ اس طرح یہ بانکا اور سجیلا سیاسی ورکر آج بھی جمعیت علماء پاکستان کا گنبد خضریٰ والا سبز پرچم اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہے۔

فکر رضا کے عشق میں مبتلا ''محبوب'' کی فعال شخصیت کے جوہر دیکھ کر لوگ عش عش کر اٹھتے ہیں۔ اس ان تھک نوجوان کے بارے میں کہا جاتا ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ نیند کے مختصر وقفے کے سوا سارا وقت روبہ عمل رہتا ہے۔ ہمیشہ متحرک اور برسرکار،

انگریزی محاورے کے مطابق وہ محنت و ریاضت کے نشے میں مبتلا ہے۔ محنت کرنے کی عادت محبوب الرسول قادری کی فطرت میں گھلی ہوئی ہے۔ اسی بے پناہ محنت کے سبب اس نوجوان نے چھوٹی سی عمر میں شادکامیوں اور نیک نامیوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ بلاشبہ محبوب قادری جیسے نوجوان ہی تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، اور ایسے ہی نوجوان ہماری ملی و دینی تاریخ کے ماتھے کا جھومر اور ہماری دھرتی کا ناز ہیں۔

ملک محمد محبوب الرسول قادری اپنے اندر تڑپتا ہوا آدمی ہے۔ وہ اپنی آرزوؤں کا ہم راز ہے، ہمارے ملک کی مذہبی تنظیموں کے ماحول میں ملک محبوب جیسے نوجوانوں کی موجودگی ایک انوکھی تازگی کا استعارہ ہے اور ہاں! مجھے کہنے دیجئے کہ محبوب قادری تو اپنے ہی خوابوں کی تعبیر ہے۔ وہ خود اپنی تقدیر ہے۔ میں نے اپنے اس پیارے دوست کے اندر، اس کے من میں رتجگوں کی لو جلتی دیکھی ہے اور اب یہ لو الاؤ بنتی جا رہی ہے۔

(دسمبر ۱۹۹۷ء)

نشانِ منزل

استاذ العلماء علامہ محمد منشا تابش قصوری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

حقوق اللہ اور حقوق العباد، لازم و ملزوم ہیں، جہاں حقوق اللہ کی بجا آوری ہر ایک پر واجب ہے اسی طرح حقوق العباد کی بجا آوری بھی لازمی امر ہے۔ جس طرح حقوق اللہ کی متعدد اقسام ہیں اسی طرح حقوق العباد بھی کئی قسموں پر منقسم ہے۔ حقوق والدین و اساتذہ، حقوق اولاد، حقوق زوجین، رشتہ داروں کے حقوق، ہمسائیوں کے حقوق، بڑوں کے حقوق، چھوٹوں کے حقوق، بڑے چھوٹے میں صرف عمر کا ہی معاملہ نہیں بلکہ ظاہری مناصب و عہدوں کے لحاظ سے بھی بڑے چھوٹے کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ جونیئر اور سینئر کا سلسلہ تو رعایا سے لے کر سلطانِ وقت تک جا پہنچتا ہے، جس طرح حکمران کو امور مملکت کی انجام دہی کے لئے وزراء، امراء اور مشیر حضرات کی خدمات حاصل کرنا ذمہ داری ہے اسی طرح حکام بالا کو اپنے حقوق کی انجام دہی میں امانت و دیانت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح رعایا پر آئین و قانون مملکت کی پابندی لازمی ہے۔

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا کبیرنا

حقوق العباد حقیقتاً حقوق اللہ ہی میں شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور اس کا مطالبہ بھی ہے کہ میری ہر مخلوق پر نرمی کا برتاؤ

کرو۔ بخاری شریف کی ایک حدیث کا ترجمہ زبان زد عام ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

زندوں کے حقوق پر جس طرح دھیان دینا ضروری ہے اسی طرح جو مسلمان وصال کر جائیں فوت ہو جائیں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی لازمی ہے۔

کفن و دفن کے ساتھ وصال شدہ مسلمانوں کے حقوق ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ان کے حقوق زندوں پر تاحیات ادا کرتے رہنا بھی شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء میں ابدی امر ہے بلکہ جو مسلمان وصال کر چکے ہیں ان پر اعمال کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے مگر زندوں پر ان کے حقوق کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔

نماز جنازہ کی ادائیگی، بعد از جنازہ ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرنا۔ قبروں پر جا کر فاتحہ اور ایصال ثواب کرتے رہنا اور اکابرین اسلام، جنہوں نے خدمت دین متین میں اپنی عمریں نثار رکھیں ان کے تذکرے کرنا بھی حقوق العباد میں شامل ہیں۔ ایسے تمام امور و مسائل سے قواعد و ضوابطِ شرعیہ کے مطابق باحسن و جوعہدہ برآ ہونے کے لیے پیش نظر کتاب ''ھدیۃ الاحیاء للاموات'' نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

محترم المقام جناب محبوب الرسول قادری زید مجدہ نے ''زندوں پر مردوں کے حقوق'' کے سلسلہ میں ایک نہایت جامع اور مدلل کتاب، تصنیف کی ہے جو مردوں کے جملہ مسائل اور ان سے عہدہ برآء ہونے کے لیے اس عمدگی سے راہوار قلم کو چلایا ہے جو پڑھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے، اور اب کی بار یہ کتاب ''موت سے ایصال ثواب تک'' کے نام سے پیش نظر ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و قلم کو اور جلا بخشے اور ان کی اس کاوش کو دیگر تصانیف کی طرح شرف قبول سے نوازے آمین ثم آمین بجاہ طہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وبارک وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کے لائق ہے کہ اس نے حُسنِ مصطفیٰ ﷺ کی جلوہ گری کے لیے کائنات کو وجود بخشا۔ مختلف زمانوں میں انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے مختلف انبیاء و رسل کو مبعوث فرما کر بالآخر وجہِ تخلیق کائنات حضور رسالت مآب ﷺ کو ختم نبوت کا تاجدار بنا کر بھیجا۔ تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کی تعلیمات اور قرآن کا نور صبح قیامت تک اہل ایمان کی راہبری کے لیے کافی ہے اور تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں موت کے ذریعے سے مروڑ دیں' اونچے اونچے تختوں پر اکڑ کر بیٹھنے والے بادشاہوں کی کمریں موت کے ذریعے سے توڑ دیں اور بڑے بڑے خزانوں کے مالکوں کی امیدیں موت کے ذریعے سے نیست و نابود کر دیں۔ یہ سب لوگ ایسے تھے جو موت کے ذکر سے بھی نفرت کرتے تھے' لیکن اللہ کا جب وعدہ (موت کا وقت) آیا تو ان کو گڑھے میں ڈال دیا اور اونچے محلوں سے زمین کے نیچے پہنچا دیا بجلی اور قمقموں کی روشنی سے' نرم بستروں سے' قبر کے اندھیرے میں پہنچا دیا۔ غلاموں اور باندیوں سے کھیلنے کی بجائے زمین کے کیڑوں کے حوالے ہو گئے اور اچھے اچھے کھانے اور پینے میں لطف حاصل کرنے کی بجائے خاک میں لوٹنے لگے اور دوستوں کی مجلسوں کی بجائے تنہائی کی وحشت میں گرفتار ہو گئے۔ پس کیا ان لوگوں نے کسی مضبوط قلعہ کے ذریعہ موت سے اپنی حفاظت کر لی' اس سے بچنے کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کر لیا۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کے قہر اور غلبہ میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور ہمیشہ رہنے کے لیے صرف اسی کی تنہا ذات ہے' کوئی اس کا مثل نہیں۔ پس جب موت ہر شخص کو پیش آنے والی ہے اور اسے مٹی میں جا کر ملنا ہے مگر جسے اللہ چاہے محفوظ رکھے اور مرنے والوں کو قبر کے کیڑوں کا ساتھی بننا

ہے اور منکر نکیر سے واسطہ پڑنا ہے اور زمین کے نیچے مدتوں رہنا ہے اور وہاں بہت طویل زمانہ تک یہی ٹھکانہ ہے اور پھر قیامت کا سخت منظر دیکھنا ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں جنت میں جانا ہے یا دوزخ ٹھکانا ہے تو نہایت ضروری ہے کہ موت کا فکر ہر وقت آدمی پر مسلط رہے۔

محترم قارئین دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے بہرحال ختم ہونے والی ہے اور اس کا مال و متاع چاہے کتنا ہی زیادہ ہو جائے ایک دن چھوٹنے والا ہے۔ شاید واصف علی واصف نے اسی لیے کہا تھا کہ

تجھ کو جانا ہے جہاں آباء گئے
جانے والے سب یہی فرما گئے
تو نے دیکھے ہیں جنازے بے شمار
تو نے کیا دیکھا نہیں اپنا مزار

تم لوگوں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ رحم فرمائے۔ اپنی غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ یہ شور مچے فلاں شخص بیمار ہو گیا ہے' مایوسی کی حالت ہے کوئی اچھا حکیم بتاؤ' کسی اچھے ڈاکٹر کو بلاؤ' پھر تمھارے لیے حکیم اور ڈاکٹر بار بار بلائے جائیں گے اور زندگی کی کوئی بھی امید نہ دلائیں گے۔ پھر یہ آواز آنے لگے گی کہ اس نے وصیتیں شروع کر دیں' اس کی تو زبان بھی بھاری ہو گئی۔ اب تو آواز بھی اچھی طرح نہیں نکلتی۔ اب تو وہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں۔ لمبے لمبے سانس بھی آنے لگے۔ کراہ بھی بڑھ گئی' پلکیں بھی جھکنے لگیں۔ اس وقت تجھے آخرت کے احوال محسوس ہونے لگیں گے' لیکن زبان تتلا گئی۔ اب کوئی بات کہہ بھی نہیں سکتا۔ بھائی بہن اور رشتہ دار کھڑے رو رہے ہیں۔ کہیں بیٹا سامنے آتا ہے' بیوی سامنے آتی ہے مگر زبان کچھ نہیں بولتی' اتنے میں بدن کے اجزا سے روح نکلنا شروع ہو جاتی ہے اور آخر وہ نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے۔ عزیز و اقارب

جلدی جلدی دفنانے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ عیادت کرنے والے رو دھو کر چپ ہو جاتے ہیں۔ دشمن خوشیاں مناتے ہیں۔ عزیز رشتہ دار مال بانٹنے میں لگ جاتے ہیں اور مرنے والا اپنے اعمال میں پھنس جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے اس زندگی کی۔ جس کو گزرتے ہوئے تو آپ نے بھی یقیناً دیکھا ہو گا لیکن شاید اس کی ناپائیداری کو کبھی محسوس نہیں کیا۔ موت کا معاملہ نہایت سخت ہے اور ہم لوگ اس سے بہت غافل ہیں۔ اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اگر کرتے بھی ہیں تو محض زبانی تذکرہ' جو مفید نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل کو سب افکار سے فارغ کر کے اس طرح سوچے کہ گویا موت سامنے ہی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اور جانے والے احباب کا حال سوچے کہ کیوں کر ان کو چارپائی پر لے جا کر مٹی کے نیچے داب دیا ہے کوئی جو ان کی صورتوں کا' ان کے اعلیٰ منصوبوں کا خیال کرے اور غور کرے کہ اب مٹی نے کس طرح ان کی اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہو گا۔ ان کے بدن کے ٹکڑے الگ الگ ہو گئے ہوں گے۔ کس طرح بچوں کو یتیم' بیوی کو بیوہ اور رشتہ داروں کو روتا چھوڑ کر چل دیے۔ ان کے سامان' ان کے مال' ان کے کپڑے پڑے رہ گئے۔ یہی حال ایک دن میرا بھی ہو گا۔ کس طرح وہ مجلسوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے تھے آج خاموش پڑے ہیں۔ کس طرح دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے۔ آج مٹی میں ملے پڑے ہیں۔ کیسے موت کو بھلا رکھا تھا آج اس کا شکار ہو گئے۔ کس طرح جوانی کے نشہ میں تھے۔ آج ہاتھ الگ پڑا ہے' پاؤں الگ پڑا ہے' زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں' بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کیا کھل کھلا کر ہنستے تھے' آج دانت گرے پڑے ہوں گے۔ کیسی کیسی تدبیریں سوچتے تھے' برسوں کے سامان چنے تھے حالانکہ موت سر پر تھی' مرنے کا دن قریب تھا' مگر انھیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہو گا۔ یہی حال میرا ہے آج میں اتنے انتظامات کر رہا ہوں کل کی خبر نہیں کیا ہو گا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان ہے سو برس کا پل کی خبر نہیں

حضور پرنور غوث العالمین غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمادیا تھا کہ لوگو! خستہ قبروں پر غور کرو کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔

دنیا کی حقیقت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں دنیا کی حقیقت دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ مجھے ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے باہر ایک کوڑے کے ڈھیر پر تشریف لے گئے۔ جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں۔ نجاست' پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں۔ یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص کرتے تھے جس طرح تم (سب زندہ لوگ) آج کل کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح امیدیں باندھا کرتے تھے جس طرح تم لوگ امیدیں لگائے ہوئے ہو۔ آج یہ بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں اور چند روز اور گزر جانے کے بعد مٹی ہو جائیں گی۔ یہ نجاست وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا' حاصل کیا' پھر ان کو تیار کیا اور کھایا اب یہ اس حال میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے (نفرت کر کے) دور بھاگتے ہیں (وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دور سے لوگوں کو اپنی طرح متوجہ کرتی تھی آج اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کی بدبو لوگوں کو اس سے متنفر کرتی ہے) یہ چیتھڑے' وہ زینت کا لباس (تھا جس کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا آج یہ اس حال میں) ہے کہ ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر پھینکتی ہیں' یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر لوگ سواریاں کیا کرتے تھے (گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے) اور دنیا میں گھومتے تھے۔ بس جسے ان احوال پر (اور ان کے عبرت ناک انجام پر) رونا ہو وہ ان کو

دیکھ کر روئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب (صحابہ کرام) بہت روئے۔

حضور سیدنا غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگو! تم سمجھتے ہو کہ روٹی تمہارا پیٹ بھرتی ہے' تمہارا خیال ہے کہ پانی تمہاری پیاس بجھاتا ہے اور تم جانتے ہو کہ کپڑا تمہارا جسم ڈھانپتا ہے۔ حالانکہ اس طرح نہیں ہے روٹی تمہارا پیٹ نہیں بھرتی بلکہ اللہ تمہارا پیٹ بھرتا ہے روٹی کے ذریعے سے' پانی تمہاری پیاس نہیں بجھاتا بلکہ اللہ، تمہاری پیاس بجھاتا ہے پانی کے ذریعے سے کپڑا تمہارا جسم نہیں ڈھانپتا بلکہ اللہ تمہارا جسم ڈھانپتا ہے کپڑے کے ذریعے سے.......... اس لیے.......... اللہ تعالیٰ.......... کی ذات پر توکل علی اللہ پیدا کرو۔ سبحان اللہ! یہ ہیں صوفیائے کرام کی تعلیمات! کہ اپنے متعلقین و متوسلین اور ارادت مندوں میں کس طرح حکمت کے ساتھ فکر آخرت اور توکل پیدا کرتے ہیں' رب کریم ہمیں بھی اولیائے کاملین کی محبت اور ان کی تعلیمات سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

قبر کی پکار اور موت کی یاد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی معیت میں ایک جنازہ کے ساتھ چلے۔ قبرستان میں پہنچ کر حضور اقدس ﷺ ایک قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ (کسی) قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان نہیں کرتی کہ اے آدم کے بیٹے تو مجھے بھول گیا۔ میں تنہائی کا گھر ہوں' اجنبیت کا گھر ہوں' میں وحشت کا گھر ہوں' میں کیڑوں کا گھر ہوں' میں نہایت تنگی کا گھر ہوں' مگر اس شخص کے لیے (نہیں) جس پر اللہ تعالیٰ مجھے وسیع بنا دے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

روزنامہ نوائے وقت کے معروف کالم نگار میاں عبدالرشید شہید اپنے مشہور زمانہ کالم ''نور بصیرت'' میں حدایق الاخیار المصنفه محمد اسماعیل سكة فرغان

بخارا کے حوالے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ یمن کا ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا گھر دور ہے لہٰذا زیادہ وقت آپ کے ہاں نہیں گزار سکتا مجھے آپ چند امور کی طرف راہنمائی فرما دیں اس کے بعد اس نے جو سوالات پوچھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ بڑا آدمی بن جاؤں اس سلسلہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ.......... ''موت کو بہت یاد کیا کرو''..........

موت کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ جہان، فانی ہے اور ہر ذی روح کو بالآخر ضرور موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ نصاب انسانیت قرآن حکیم میں واضح اعلان ہوا۔

کل نفس ذائقة الموت۔ ہر نفس (ذی روح) کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

دوسری جگہ اسی کتاب انقلاب میں ارشاد فرمایا گیا۔ اے محبوب ﷺ آپ فرما دو کہ جس موت سے تم فرار ہوتے ہو۔ وہ ضرور تمھیں آئے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو کہ یہ لذت کو مٹاتی ہے۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا.......... موت مومن کے لیے تحفہ ہے..........

حضور اکرم ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے کہ دنیا مسلمان کے لیے قید خانہ کی مثل ہے اور عمل کی جگہ ہے جب وہ اس سے (دنیا سے) الگ ہو جاتا ہے تو وہ قید اور عمل سے نجات پالیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ دنیا کافر کے لیے جنت اور مومن کے لیے قید خانہ ہے اس دنیا سے مومن کے رخصت ہونے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کو قید خانہ سے رہا کر دیا جائے اور پھر وہ اپنی مرضی سے گھومے پھرے سیر و سیاحت کرے۔ امیر المومنین، مولائے

کائنات، سیدنا حیدر کرار، علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔ مومن کے لیے موت خوشبودار پھول ہے۔

نامور دینی سکالر حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری اپنی کتاب اسلامی عقائد میں رقمطراز ہیں کہ

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے، اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے، جانچنے کو، اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔'' (الانبیاء: ۳۵ کنز الایمان) روح کے جسم سے جدا ہو جانے کا نام موت ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی منکر نہیں، ہر شخص کی زندگی مقرر ہے نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔ (یونس: ۴۹) موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں، مسلمان کے انتقال کے وقت وہاں رحمت کے فرشتے آتے ہیں جبکہ کافر کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے اترتے ہیں۔

☆ مسلمانوں کی روحیں اپنے مرتبہ کے مطابق مختلف مقامات میں رہتی ہیں بعض کی قبر پر، بعض کی چاہ زمزم میں، بعض کی زمین و آسمان کے درمیان، بعض کی پہلے سے ساتویں آسمان تک، بعض کی آسمانوں سے بھی بلند، بعض کی زیر عرش قندیلوں میں اور بعض کی اعلیٰ علیین میں، مگر روحیں کہیں بھی ہوں ان کا اپنے جسم سے تعلق بدستور قائم رہتا ہے جو ان کی قبر پر آئے وہ اسے دیکھتے، پہچانتے اور اس کا کلام سنتے ہیں بلکہ روح کا دیکھنا قبر ہی سے مخصوص نہیں، اس کی مثال حدیث شریف میں یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک پرندہ پہلے قفس میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا ائمہ کرام فرماتے ہیں، بے شک جب پاک جانیں بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں تو عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا، جب مسلمان مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے وہ جہاں چاہے جائے۔

☆ کافروں کی بعض روحیں مرگھٹ یا قبر پر رہتی ہیں، بعض چاہ برہوت میں، بعض زمین کے نچلے طبقوں میں، بعض اس سے بھی نیچے سجین میں، مگر وہ کہیں بھی ہوں اپنے مرگھٹ یا قبر پر گزرنے والوں کو دیکھتے، پہچانتے اور ان کی بات سنتے ہیں، انہیں کہیں جانے آنے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ یہ قید رہتی ہیں، یہ خیال کہ روح مرنے کے بعد کسی اور بدن میں چلی جاتی ہے، اس کا ماننا کفر ہے۔

☆ دفن کے بعد قبر مردے کو دباتی ہے اگر وہ مسلمان ہو تو یہ دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے ماں بچے کو آغوش میں لے کر پیار سے دبائے اور اگر وہ کافر ہو تو زمین اس زور سے دباتی ہے کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف ہو جاتی ہیں۔ مردہ کلام بھی کرتا ہے مگر اس کے کلام کو جنوں اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے۔

☆ جب لوگ مردے کو دفن کر کے وہاں سے واپس ہوتے ہیں تو وہ مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے زمین چیرتے آتے ہیں ان کی صورتیں نہایت ڈراؤنی، آنکھیں بہت بڑی اور کالی و نیلی، اور سر سے پاؤں تک ہیبت ناک بال ہوتے ہیں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے وہ مردے کو جھڑک کر اٹھاتے اور کرخت آواز میں سوال کرتے ہیں پہلا سوال: من ربک تیرا رب کون ہے؟ دوسرا سوال: ما دینک تیرا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال: حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں ما کنت تقولُ فی ھذا الرجل ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟

☆ مسلمان جواب دیتا ہے، میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، فرشتے کہتے ہیں، ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا پھر آسمان سے ندا ہوگی، میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لیے جنتی بچھونا بچھاؤ، اسے جنتی لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، پھر دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے جنت کی ہوا اور خوشبو اس

کے پاس آتی رہتی ہے اور تاحد نظر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے، تو سو جا جیسے دولہا سوتا ہے یہ مقام عموماً خواص کے لیے ہے اور عوام میں ان کے لیے ہے جنہیں رب تعالیٰ دینا چاہے، اسی طرح وسعت قبر بھی حسب مراتب مختلف ہوتی ہے۔

☆ اگر مردہ کافر و منافق ہے تو وہ ان سوالوں کے جواب میں کہتا ہے، افسوس مجھے کچھ معلوم نہیں، میں جو لوگوں کو کہتے سنتا تھا وہی کہتا تھا، اس پر آسمان سے منادی ہوتی ہے، یہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ، اسے آگ کا لباس پہناؤ اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو، پھر اس دروازے سے جہنم کی گرمی اور لپٹ آتی رہتی ہے اور اس پر عذاب کے لیے دو فرشتے مقرر کر دئے جاتے ہیں جو اسے لوہے کے بہت بڑے گرزوں سے مارتے ہیں نیز عذاب کے لیے اس پر سانپ اور بچھو بھی مسلط کر دیے جاتے ہیں۔

☆ قبر میں عذاب یا نعمتیں ملنا حق ہے اور یہ روح و جسم دونوں کے لیے ہے، اگر جسم جل جائے یا گل جائے یا خاک ہو جائے تب بھی اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہتے ہیں ان اجزاء اور روح کا باہمی تعلق ہمیشہ قائم رہتا ہے اور یہ دونوں عذاب و ثواب سے آگاہ و متاثر ہوتے ہیں۔ اجزائے اصلیہ ریڑھ کی ہڈی میں ایسے باریک اجزاء ہوتے ہیں جو نہ کسی خوردبین سے دیکھے جا سکتے ہیں نہ آگ انہیں جلا سکتی ہے اور نہ ہی زمین انہیں گلا سکتی ہے۔ اگر مردہ دفن نہ کیا گیا یا اسے درندہ کھا گیا ایسی صورت میں بھی اس سے وہی سوال و جواب اور ثواب و عذاب ہوگا۔

☆ بے شک ایک دن زمین و آسمان، جن و انسان اور فرشتے اور دیگر تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اس کا نام قیامت ہے۔ اس کا واقع ہونا حق ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ قیامت آنے سے قبل چند نشانیاں ظاہر ہونگی:

دنیا سے علم اٹھ جائے گا یعنی علماء باقی نہ رہیں گے، جہالت پھیل جائے گی، بے حیائی اور بدکاری عام ہو جائے گی، عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جائے گی، بڑے دجال کے سواتیس دجال اور ہونگے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے حالانکہ حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، مال کی کثرت ہوگی، عرب میں کھیتی، باغ اور نہریں جاری ہو جائیں گی، دین پر قائم رہنا بہت دشوار ہوگا، وقت بہت جلد گزرے گا، زکوٰۃ دینا لوگوں پر گراں ہوگا، لوگ دنیا کے لیے دین پڑھیں گے، مرد عورتوں کی اطاعت کریں گے، والدین کی نافرمانی زیادہ ہوگی دوست کو قریب اور والد کو دور کریں گے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونگی، بدکار عورتوں اور گانے بجانے کے آلات کی کثرت ہوگی، شراب نوشی عام ہو جائے گی، فاسق اور بدکار سردار و حاکم ہونگے، پہلے بزرگوں پر لوگ لعن طعن کریں گے، درندے، کوڑے کی نوک اور جوتے کے تسمے باتیں کریں گے۔ (ماخوذ از بخاری، مسلم، ترمذی)

اچانک موت سے حفاظت کا وظیفہ

امراض قلب جیسی موذی بیماریوں اور حادثات وغیرہ کے سبب اچانک موت سے حفاظت کے لیے قرآن کریم کی سورۂ تغابن کا وظیفہ نہایت مجرب ہے گویا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص سورۂ تغابن کو اپنے معمولات میں شامل رکھے گا وہ اچانک موت سے محفوظ رہے گا۔

اللہ والوں کی موت

رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ موت بہتر ہے کیونکہ وہ محب کو محبوب سے ملا دیتی ہے۔ مولانا آسی نے خوب کہا کہ

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اس گُل سے ملاقات کی رات

آپ ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ اس کے لیے موت محبوب بنا دے جس نے یہ

جانا کہ میں تیرا رسول (ﷺ) ہوں۔ سبحان اللہ! آیئے ہم بھی دعا کریں۔

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلی علیٰ کہتے کہتے

ان حقائق اور شواہد سے ثابت ہوا کہ موت کو ہمہ وقت یاد رکھنا از حد ضروری ہے اس سے اعمال کی درستگی اور احوال کی صحت کا احساس رہتا ہے لیکن کسی بھی صورت میں موت کی تمنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ آیئے یہ معلوم کرنے کے لیے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری دیتے ہیں۔ مدنی کریم آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہوگا تو اس کی نیکیاں بڑھیں گی اگر گناہ گار ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کر لے۔ (مشکوۃ شریف 139) لیکن اہل ایمان کی یہ ہمہ وقت خواہش ہوتی ہے کہ ۔

الٰہی موت یوں آئے مدینے میں
نظر کے سامنے خیرالوریٰ کا آستانہ ہو

کیوں کہ ایسی موت پر تو ہزاروں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ ایسی ہی موت کے لیے کسی نے کہا تھا کہ

موت کو سمجھے ہیں ناداں اختتام زندگی
یہ ہے شام زندگی، صبح دوام زندگی

واصف علی واصف رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی موت کا ذکر بڑے حسین اور مخصوص پیرائے میں یوں کرتے ہیں کہ ۔

مرد کامل ہے وہی جو منزلیں طے کر گیا
زندگی اس کی جو مرنے سے پہلے مر گیا

....

زندگی اور موت ہے اپنی خدا کے واسطے
مردِ مومن ہے فقط صبر و رضا کے واسطے

حضرت شیخ محقق اللہ والوں کی حیات برزخی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیات اخروی معنوی سے زندہ ہیں۔
(اشعتہ اللمعات: جلد 3 صفحہ 402)

اور سچ تو یہ ہے ایسی موت کی صورت میں فرشتہ اجل ہمیشہ کی زندگی دے کے جاتا ہے۔

موت کے حوالے سے مختلف اقوال

موت کے حوالے سے مختلف اقوال ملتے ہیں ان پر غور کیا جانا چاہئے۔

- موت ایک کھلونا ہے۔ جو ٹوٹ جانے پر بن نہیں سکتا۔.........
- موت سے لڑنا بہادری ہے۔..............
- موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔..............
- احمق اور مردہ لوگ اپنے خیالات بدل نہیں سکتے۔..............
- ہماری دعائیں اس لیے قبول نہیں ہوتیں کہ ہم موت کو برحق جانتے ہیں۔ مگر خدا کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔..............
- ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔..............
- موت کا ایک دن مقرر ہے اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔..............
- موت ایک دروازہ ہے جس سے ہر ایک کو گزرنا ہے۔..............
- جسے موت آجائے اسے برا نہیں کہنا چاہئے۔..............
- جو طالب علمی میں مرجائے وہ شہید ہے۔..............
- سستی اور کاہلی کی زندگی قبل از مرگ ہے..............
- دنیا میں نیک کام کر کے مرجانا آب حیات سے بہتر ہے۔..............

- زندگی ہمیشہ نہیں رہتی یہ ختم ہو جاتی ہے مگر موت ہمیشہ رہتی ہے۔..............
- اگر تم چاہتے ہو کہ موت کے بعد بھی تمہارا نام رہے تو اچھے کام کرو۔..............
- موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔..............
- موت سے بڑھ کر کوئی سچی اور امید سے بڑھ کر چھوٹی کوئی چیز نہیں ہے۔..............
- ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔..............

اسی طرح سید ناصر حسین شاہ ناصرؔ نے موت کے حوالے سے ایک منظوم تاثریوں بیان کیا ہے۔

جس دم بندہ فوت ہو جاندا ساڈے لئی میت کہلاندا
پچھلے رو رو دین دوہائی پے گئی محشر تیک جدائی
بھین کہوے سن میریا ویرا کلی رہ گئی اوہ ہمشیرا
ویر کہوے ہن ٹٹیاں باہواں ہن میں ربا کدھر جاواں
پتر کہن یتیم ہو چلے رہ گئے دنیا دے وچ کلے
دھیاں کہندیاں میریا ربا ہن تیکں سانوں لبھناں ربا
بیوی وی سر بنھ کھلو گئی میں تے اج توں بیوہ ہوگئی
حیرت دا بت بن گئے سارے رشتہ دار تے سجن پیارے
بولے تھوڑی دیر نوں آؤ اینوں پھٹے اتے پاؤ
ایہہ سی ساڈے حان داہانی لے آؤ کوسہ کرکے پانی
پیار دے نال نواؤ اینوں سوہنا کفن پواؤ اینوں
کسے دوکان تے دوڑ کے جاؤ اہدے لئی خوشبو منگواؤ
کلمے بول سنا کے چلو موہڈیاں اتے چا کے چلو
میں پچھیا اک دانے کولوں آقا دے دیوانے کولوں

ایہہ یاراں دی یاری کیوں ایں — اپنی تیاری خاص تیاری کیوں ایں
بول کے اس مینوں سمجھایا — اینوں ماہی کول بلایا
جس ویلے کوئی سفر تے جاندا — کپڑے نویں ضرور ہے پاندا
عطر تے خوشبو وی منگواندا — اپنے کپڑیاں اتے لاؤندا
اہدی پہلی قبر وچ رات اے — نال حضور دے ہونی بات اے
مر کے پونچیا جس دے کول اے — ایدا نبی اے رب دا ڈھول اے
ناصر گج کے جانا حق اے — اوتھے سج کے جانا حق اے
اہدا بیڑا پار ہونا ایں — اینوں اج دیدار ہونا ایں

موت کی تمنا اور دُعا کرنے کی ممانعت

کچھ لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں یا کسی لمبے یا لاعلاج مرض میں مبتلا ہو کر گھبراتے ہیں تو موت کی تمنا اور دعا کرتے ہیں اور بعض اس لیے بھی موت کی دعا کرتے ہیں کہ زندگی جس قدر طویل ہو گی۔ گناہوں میں اضافہ ہو گا۔ حضور سرور عالم ﷺ نے کسی وجہ سے بھی موت کی تمنا اور دُعا کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ بات بڑی بے دانشی، کم ہمتی، بے صبری بلکہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیکو کار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا اس کے ذخیرۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔

وَاَمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّہٗ اَنْ یَّسْتَعْتِبَ (بخاری)

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُ کُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَہٗ.

تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔

اور اگر دعا کرنا ہی چاہتا ہے تو یہ عرض کرے کہ الٰہی جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو اس وقت مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ (بخاری شریف)........... دکھ اور تکلیف سے گھبرا کر آدمی موت کی تمنا اور دعا اسی لیے کرتا ہے تاکہ اس دکھ سے نجات مل جائے لیکن یہ ذہن بہت ہی غیر دانشمندانہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ موت دینے پر قادر ہے ایسے ہی صحت دینے اور دکھ تکلیف کو دور کر دینے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر ہی طلب کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ برکات العلوم)

میت کا منہ دیکھنا

اگر میت عورت ہے تو اس کا خاوند اور محرم جن سے پردہ نہیں میت کا منہ دیکھ سکتے ہیں اور نمازِ جنازہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب اسے پہنچا سکتے ہیں۔ دعائے مغفرت بھی کر سکتے ہیں ابو داؤد کی حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْالَہُ الدُّعَا.

جب میت پر نمازِ جنازہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے لیے خلوص سے بخشش کی دعا کرو۔ (فتاویٰ برکات العلوم)

اہمیت دعا

رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا مانگنے والے سے رب کریم خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنی بے پایاں عنایات سے نوازتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دعا مانگنا عین عبادت ہے اور آپ ﷺ نے اس ارشاد کی وضاحت میں قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ تمھارے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا مانگا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ (از راہ تکبر و غرور) میری عبادت سے سرتابی کریں وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے۔'' مسلم شریف کی مشہور حدیث ہے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز سید العالمین ﷺ میرے پاس جلوہ افروز ہوئے۔ آپ متفکر نظر آ رہے تھے میں نے دیکھا

کہ آقا کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے وضو فرمایا اور پھر کسی سے کوئی بات کیے بغیر مسجد میں منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے۔ میں نے حجرہ مبارکہ کی دیوار کے ساتھ کان لگا کر سننا چاہا کہ آپ ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ میں نے سنا کہ حضور ﷺ نے رب کریم کی حمد بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ تمھیں اچھی باتوں کے فروغ کے لیے جدوجہد کرنے کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکنے کا حکم دیتا ہے اس وقت سے پہلے پہلے دعائیں مانگو۔ جب تمہاری دعائیں نامقبول ہوں گی اور اس وقت سے پہلے مانگ لو جب تمھیں عطا نہیں ہوگا اور اس وقت سے پہلے امداد مانگو کہ جب میں تمہاری امداد نہ کروں گا (مقصد یہ ہے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست دعا دراز کر دو ایسا نہ ہو کہ تمہاری روح تمہارے قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے اور پھر تم دعا کرنے کے قابل ہی نہ رہو) اس کے بعد حضور ﷺ نے کچھ نہ فرمایا اور منبر شریف سے نیچے تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کے فیصلے کو بدل نہیں سکتی اور نیک عمل کے سوا کوئی چیز عمر کو بڑھا نہیں سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رب کریم کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی شے کی کوئی وقعت نہیں دعا سے گناہ دھلتے ہیں۔ توبہ قبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور تقدیریں بدل جاتی ہیں ۔

رحمت یہ چاہتی ہے کہ اپنی زبان سے
کہہ دے گنہ گار کہ تقصیر ہو گئی

قبولیت دعا کا ایک ضابطہ اور اصول بیان کرتے ہوئے محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا سختی، مشکل اور مصیبت کے وقت قبول فرمائے اس کو چاہیے کہ وہ فراخی اور خوشحالی کے دنوں میں بھی خدا سے کثرت کے ساتھ دعا مانگا کرے۔ دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے۔ ایک مرتبہ عذاب میں مبتلا قوم کے قریب سے حضور اکرم ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب سے عافیت کی دعا نہیں مانگتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ

کرام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں کوتاہی نہ کرنا کیونکہ دعا کرتے رہنے والوں پر کوئی ناگہانی مصیبت نازل نہیں ہوتی۔ دو افراد کے بارے میں حدیث پاک کے اندر مرقوم ہے کہ وہ دعا مانگ رہے تھے حضور نے ان کے الفاظ سنے تو ارشاد فرمایا کہ تم جو چاہو مانگو تمھیں اللہ تعالیٰ ضرور عطا کرے گا۔ ایک دعا کرتے ہوئے بار بار یا ارحم الراحمین اور دوسرا یا ذوالجلال والاکرام پکار رہا تھا۔

قبولیت دعا کے لیے اس کے اوّل و آخر درود پاک کا اضافہ کر لینا نہایت مجرب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا درود ضرور قبول فرماتے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ دعا سے پہلے کا حصہ (اگر درود ہو تو اسے) قبول کر لیا جائے اور دعا کو چھوڑ دیا جائے اور پھر آخری حصہ (درود پاک) قبول کر لیا جائے۔ بلکہ اس سلسلے میں درود پاک کی برکت سے اللہ تعالیٰ دعاؤں کو بھی شرف قبول عطا کر دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب کریم جس شخص پر دعا کے دروازے کھول دیتا ہے یعنی جسے دعا مانگنے کی توفیق مل جاتی ہے گویا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ رب کریم سے جتنی بھی دعائیں مانگو وہ قبول کرتا ہے لیکن اس کی پسندیدہ دعا یہ ہے کہ مانگنے والا اس سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگے۔ دعا مانگنے والے سے رب کریم خوش ہوتا ہے اور درود پاک کی طرح دعا کا بھی کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ جب چاہو دعا مانگو خداوند قدوس اس کو شرف قبولیت عطا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد، کعبہ شریف کو دیکھتے ہوئے، روضہ نبوی ﷺ کی حاضری کے وقت، آب زمزم پیتے ہوئے، جمعہ شریف کے دن دو خطبوں کے درمیانی وقفے میں اور بعض روایات میں بروز جمعہ عصر سے مغرب کے درمیان مانگی جانے والی دعائیں جلد مستجاب ہوتی ہیں۔ حضور اکرمؐ کی تعلیم فرمودہ دعائیں جو زندگی کے لمحے لمحے میں انسان کے لیے راہنما ہیں انھیں زبانی یاد کرنا چاہیے اور عربی متن کے ساتھ ساتھ ان کے مفاہیم و معانی سے آگاہی حاصل کرنا دعا میں

لذت و چاشنی پیدا کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔

بڑا ہتھیار مومن کا دعا ہے
وسیلہ اس کا جو ہر کام کا ہے

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خان قادری بریلوی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب "احسن الوعا لاداب الدعا" میں رقم طراز ہیں کہ منقول ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہوا۔ اے موسیٰ مجھ سے اس منہ کے ساتھ دعا مانگ جس سے تو نے گناہ نہ کیا۔ عرض کی۔ الٰہی وہ منہ کہاں سے لاؤں؟ (یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع ہے۔ ورنہ؟ یقیناً تمام انبیاء ہر گناہ سے معصوم ہیں اور مقصود تعلیم امت ہے) فرمایا۔ اوروں سے دعا کرا کہ ان کے منہ سے تو نے گناہ نہیں کیا ہو۔

امیر المؤمنین فاروق اعظم ؓ مدینہ منورہ کے بچوں سے اپنے لیے دعا کراتے تھے کہ دعا کرو عمر بخشا جائے۔"

اور صائم و حاجی و مریض و مبتلاؑ سے دعا کرانا اثر تمام رکھتا ہے۔ ان تین کی حدیثیں تو فصل ہشتم میں آئیں گی۔ (حضرت مولانا مفتی محمد نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب میں مفصل بیان ہے) اور مبتلا وہ جو کسی دنیوی بلا میں گرفتار ہو۔ یہ مریض سے عام ہوا ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں ابو درداء ؓ سے روایت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ اغتنموا دعوۃ المؤمن المبتلی مسلمان مبتلا کی دعا غنیمت جانو)

دعا بعد از نماز جنازہ

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

والذین جاءوا من بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان. (ترجمہ) "جو ان کے بعد آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور جو ہم سے پہلے ایمان لائے ان کی مغفرت فرما۔"

اب فرمان الٰہی کے مطابق صرف اہل ایمان ہی اپنی اور اپنے سے پہلے اہل

ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی عرصہ پہلے کیوں نہ گزرے ہوں یعنی ان کی دعا کے لیے زندگی یا وفات کی کوئی قید نہیں۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ زندوں کی دعا سے مردوں (مرنے والوں) کو نفع ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ اور ترمذی کی مشہور حدیث ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔

مشکوٰۃ، ابن ماجہ اور نسائی نے حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دعا ہی عبادت ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ دعا عبادت بھی ہے اور عبادت کا خلاصہ بھی' سبحان اللہ۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد الٰہی ہے۔ رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا (ترجمہ) اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا (یعنی مجھے پالا)

معلوم ہوا کہ اگر اس طرح دعا نفع بخش نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اولاد کو یوں حکم نہ فرماتا کہ وہ اپنے والدین کے لیے اس طرح دعا کرتے۔

یہ بھی یاد رہے کہ دعا کے لیے کسی وقت کی کوئی قید نہیں بلکہ دعا ہر وقت جائز ہے اور جو چیز ہر وقت جائز ہو وہ کسی جنازے کے بعد بھی جائز ہی ہوتی ہے ناجائز نہیں ہوتی۔ ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ منکرین دعا بعد از نماز جنازہ' کبھی تو غیر اللہ سے مدد مانگنے اور کبھی اللہ سے کسی وسیلہ کے ساتھ کچھ مانگنے کے خلاف شور مچاتے تھے اب براہ راست خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگنے کے مخالف کیوں ہو گئے ہیں؟ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ غور طلب امر یہ ہے کہ کہیں اندرون خانہ یہ کسی سازش کا نتیجہ تو نہیں۔

خدا سے دعا مانگنا کس کو بھلا نہیں لگتا؟ یہ معلوم کرنے کے لیے آئیے دربار رسالت ﷺ میں حاضری دیتے ہیں۔ تفسیر روح البیان پہلی جلد کے صفحہ 5 کا مطالعہ کیجئے۔

حضرت ابن عباس ؓ راوی ہیں کہ ایک روز نبی پاک ﷺ اپنی مسجد سے نماز پڑھ

کر نکلے تو شیطان کو کھڑا دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے شیطان تو میری مسجد کے دروازے پر کیوں آیا؟ اس نے کہا کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے۔ فرمایا کس لیے؟ اس نے کہا کہ اس لیے تا کہ آپ ﷺ جو چاہیں مجھ سے پوچھیں۔

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو پہلا سوال کیا وہ یہ تھا کہ اے ملعون۔ تو میری امت کو نماز باجماعت سے کیوں روکتا ہے؟

اس نے کہا کہ اے محمد ﷺ جس وقت آپ کی امت نماز پڑھنے کے لیے نکلتی ہے تو مجھے سخت بخار ہو جاتا ہے اور تب اترتا ہے جب وہ نماز سے فارغ ہو جائے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو میری امت کو علم اور دعا سے کیوں روکتا ہے؟ ابلیس کہنے لگا کہ جس وقت وہ دعا مانگتے ہیں تو میں اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہوں۔ میری یہ تکلیف اس وقت ختم ہوتی ہے جب وہ دعا مانگ کر فارغ ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب مسلمان خدا سے دعا مانگیں تو ابلیس بہرہ ہو جاتا ہے اور اندھا بھی ہو جاتا ہے چاہے یہ دعا نماز جنازہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو لیکن اس وقت ابلیس نے وضاحت نہیں کی تھی بلکہ مطلقاً دعا ہی کہا تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے سے منع کرنا "یا" دعا نہ مانگنے کے لیے ورغلانا ابلیسی فعل ہے کیونکہ اہل ایمان کے دعا مانگنے سے ابلیس کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ آئیے مل کر دعا کریں۔ اے اللہ ہمیں شیطان لعین کے شر سے محفوظ فرما۔ آمین۔

مشکوٰۃ شریف باب صلوۃ الجنازہ فصل ثانی میں مرقوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء یعنی جب تم میت پر نماز (جنازہ) پڑھ لو تو اس کے لیے خالص دعا مانگو۔ یہاں "فا" سے مراد نماز جنازہ کے فوراً متصلاً بعد دعا مانگنا ہے۔

ان علیا صلی علی جنازۃ بعد ما صلے علیہ.

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک جنازہ پر نماز کے بعد دعا مانگی۔ اب جو واقعہ

پیش کیا جا رہا ہے اس سے دعا بھی ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے جو غیب کا علم عطا ہوا ہے اس کی ایک مثال بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حارثہ ؓ کو دعوت اسلام دے کر اپنے قاصد کے طور پر بصرہ بھیجا ہے۔ ظالم بادشاہ نے نامہ مبارک کی بے ادبی کی اور حضرت حارثہ ؓ کو شہید کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار کا لشکر بصرہ روانہ کیا اور اس کا سپہ سالار حضرت زید بن حارث ؓ کو بنایا۔ نیز فرمایا کہ اگر زید بن حارث شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب ؓ کو سپہ سالار بنا لینا اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ؓ کو سپہ سالار بنا لینا جب وہ بھی شہید ہو جائیں تو جس کو چاہنا امیر بنا لینا۔ ادھر لشکر موتہ (بصرہ) کے لیے روانہ ہوا اور وہاں ایک لاکھ کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ ادھر حضور ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حالات جنگ بیان کرنا شروع فرمائے۔ فرمایا لو زید بن حارث ؓ شہید ہو گئے۔

آنکھوں سے آنسو برسے اور پھر...... فصلی علیہ رسول اللہ ﷺ ودعالہ وقال استغفرو الہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دعا فرمائی اور صحابہ سے فرمایا تم بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ (بحوالہ فتح القدیر جلد نمبر 1 ص 789)

صاحب بدائع صنائع نے اپنی کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ 311 پر لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت کے بعد جب نماز جنازہ پڑھا جا چکا تو حضرت عبداللہ بن سلام ؓ موقع پر پہنچے اور جنازہ میں شامل لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اگر نماز جنازہ میں (مجھ سے) پہل کر لی ہے تو دعا میں (کم از کم) مجھ سے پہل نہ کرو یعنی مجھے دعا میں شریک ہونے دو۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا طریقہ تھا کہ وہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے الگ دعا بھی مانگا کرتے تھے تبھی حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے فرمایا کہ ٹھہرو مجھے دعا میں شامل ہونے دو۔

حضرت فقیہہ اعظم بصیر پوری کا اہم فتویٰ

حضرت فقیہہ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری کی خدمت میں ایک استفتاء آیا جس میں پوچھا گیا کہ

"...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل کے متعلق:

نمبر۱: کہ جب نمازِ جنازہ کسی میت پر پڑھی جائے سلام پھیرنے کے بعد فوراً اس میت پر اسی جگہ کھڑے دعا مانگنی شرع شریعت شریف کے نزدیک جائز ہے کہ نہیں؟"

نمبر۲: پھر جب میت کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پر قبرستان سے باہر آ کر جو دعا مانگی جاتی ہے یہ بھی شریعت کے مطابق جائز ہے؟

آپ نے اس کا جواب یوں لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر۱: شرعاً یہ دونوں صورتیں یقیناً جائز ہیں آیا متکاثرہ واحادیث متکافرہ اور اقوال ائمہ وعلماء کرام متوافرہ سے روزِ روشن کی طرح نمایاں وعیاں ہے کہ دعاء ایسی خصوصی عبادت ومغزِ عبادت ہے کہ اس کا جواز زمان ومکان وتعداد کی قیود سے آ'اد ہے تو لامحالہ ان دونوں صورتوں میں بھی جائز ہی رہے گی کہ کسی آیت وحدیث یا اجماع امت سے ان آیات واحادیث مشرعۂ دعا واجماع مجوز کی تخصیص ان دونوں صورتوں کے ماسوا کے لیے ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ ان کے عموم وشمول کی تائید صریح ثابت ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ واجماع امت سے بالخصوص بلا کسی قید زمانی ومکانی وتعدادی کے ثابت کہ دعائے احیاء امواتِ مؤمنین کے لیے نافع ومفید اور سنت محبوب اکرم ﷺ اور اہل ایمان کا دستور مسلم ہے حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ شرح الصدور طبع مصر ص ۱۲۷ میں فرماتے ہیں قد نقل غیر واحد الاجماع علی ان الدعاء ینفع المیت و دلیله من القرآن قوله تعالٰی والذین جاء وامن بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا

الذین سبقونا بالایمان یعنی متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے اور دلیل اس کی قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور وہ لوگ جو آئے ان کے پیچھے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کے لیے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔" اور یونہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تذکرۃ الموتٰے مجتبائی ص ۳۵ میں یہ اجماع و دلیل بیان فرماتے ہیں حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح فقہ اکبر طبع مصر ص ۱۱۸، ص ۱۱۹ میں فرماتے ہیں ان دعاء الاحیاء للاموات نفع لهم بے شک زندوں کی دعائیں اموات کے لیے سودمند ہیں۔ (الی ان قال) وقد توارث السلف واجمع علیه الخلف یعنی پہلوں اور پچھلوں سب کا اس پر اتفاق ہے۔ پھر آیات کثیرہ واحادیث سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں اتفق اهل السنة ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء یعنی اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کی کوشش (دعا و استغفار وغیرہ) سے نفع اٹھاتے ہیں اور یونہی عقائد نسفیہ و شرح تفتازانی طبع مجیدیہ ص ۱۲۳ اور تکمیل الایمان تصنیف حضرتِ مولانا عبدالحق محدث دہلوی ص ۷۶،۷۷ مجتبائی میں ہے بلکہ ابن قیم جوزیہ کی کتاب الروح طبع حیدر آباد ص ۱۸۸ اور نواب صدیق حسن خان بہادر بھوپالی کی ثمار التنکیت طبع بھوپال ص ۱۰۰ میں ہے مجمع علیهما بین اهل السنت من الفقهاء واهل الحدیث والتفسیر احد هما ما تسبب الیه المیت فی حیاته والثانی دعاء المسلمین له واستغفار هم الی اخره۔ یعنی تمام گروہ اہل السنّت والجماعت فقہاء ومحدثین ومفسرین اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کی دعا واستغفار سے اموات نفع اٹھاتے ہیں نیز ابن قیم کی اسی کتاب کے ص ۱۹۱ میں ہے و دعاء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم للاموات فعلا و تعلیما و دعاء الصحابة والتابعین والمسلمین عصرا بعد عصرا کثر من ان یذکر واشهر من ان ینکر یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی دعاء مردوں کے لیے جو آپ نے خود کی اور امت کو تعلیم فرمائی

اور صحابہ کرام، تابعین، تمام اہل اسلام کا زمانہ بعد زمانہ اموات کے لیے دعاء کرتے رہنا اس سے زیادہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جاسکے اور اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کا انکار کیا جا سکے یہ دونوں صاحب معترضین کے مسلّم امام ہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کشف الغمہ طبع مصر ص ۱۷۴ جلد ا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ناقل كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يحث على الدعاء والصدقة والقرب المهدات للاموات من اقاربهم واخوانهم ويقول ان ذلک ينفعهم یعنی رسول اللہ ﷺ شوق دلایا کرتے تھے ان دعاؤں اور خیراتوں اور نیکیوں پر جو اموات کے لیے ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بطورِ تحفہ بھیجی جائیں، فرمایا کرتے تھے کہ بے شک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے وقد صرح الشعرانى بتصحيح جميع الاحاديث المذكورة فى كتاب ص ۵،۹۔

اور استدلال بعموم واطلاقِ نصوص طریقۂ ائمہ قدیم وحدیث بالاتفاق ہے وذا ممالا ينكر من رأى كلمتهم العالية۔ حتیٰ کہ معترضین کے مسلم امام نواب صدیق حسن خان بہادر اپنے رسالہ حل سوالات مشکلہ مطبوعہ نظامی کے ص ۵ میں بعد از نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر بعد از نماز کی قید نہ نفیاً ہے اور نہ اثباتاً، پس عموم ادلہ و مطلقات آں شامل فریضہ خواہد بود تا آنکہ دلیلے بر تخصیص دے قائم شود، یعنی ان دلائلِ جواز کا عموم واطلاق دعا بعد از نمازِ فرض کو بھی شامل ہوگا تا آنکہ کوئی دلیل یہ تخصیص ثابت کرے کہ بعد از نماز جائز نہیں! ہمارے ائمہ کرام بھی یونہی فرماتے ہیں کہ بلا دلیل تخصیص حکم عام سب افراد کو شامل ہے) لہٰذا بعد از نمازِ فرض جنازہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز انہی کے مسلم پیشوا کے دلائل سے بھی ثابت ہو گیا اور جوازِ شرعی واضح وہویدا، مگر اطمینانِ سائلاں کے لیے اور توضیح کی جاتی ہے۔

(۱) بالخصوص دعاء بعد از نمازِ جنازہ کی تصریح بھی بلاشبہ ثابت ہے سنن ابو داؤد مجیدی

ص ۱۰۰ جلد ۲، سننِ بیہقی طبع حیدر آباد ص ۴۰ جلد ۴ سنن ابن ماجہ اصح المطابع ص ۱۰۹ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے اذا صليتم على الميت فاخلصو اله الدعاء یعنی جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرو۔" مرقات ص ۵۹ جلد ۴ میں ہے قال ابن حجر و صححه ابن حبان۔ یعنی ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے بدائع صنائع ص ۳۱۱ جلد ا طبع مصر میں ہے کہ حضور پر نور ﷺ ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی، دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا الصلوة على الجنازة لا تعاد ولكن ادع للميت واستغفرله یعنی جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لیے (جس پر ابھی نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہے) دعاؤ استغفار کر لو۔ (وهذا نص فى الباب كما قال ملک العلماو عليه الرحمه) نیز بدائع کے اسی صفحہ اور مبسوط سرخسی طبع مصر ص ۶۷ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ابنِ عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جنازہ پر نماز سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہو کر اس کے لیے استغفار کیا نیز ان دونوں کے اسی صفحات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر بولے ان سبقتمونى بالصلوة عليه فلا تسبقرنى بالدعاء له آپ لوگوں نے اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز میں مجھ سے پہل کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔

اس سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد از نمازِ جنازہ دعاء کیا کرتے تھے مصنفِ ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز طبع ملتان ص ۱۳۲ ج ۴ میں ہے کہ حضرتِ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں ثم مشى حتى اتاه وقال اللّٰهم

عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم فاغفرلہ ذنب ووسع علیه مدخله فانا لا
نعلم منه الا خیراً وانت اعلم به۔ یعنی بعد از نمازِ جنازہ چل کر میت کے نزدیک ہو کر یہ
دعاء فرمائی شرح الصدور ص ۵۳ میں بحوالہ بزار حضرتِ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث
مرفوع طویل میں ہے کہ فرشتے مومن قرآنِ کریم پڑھنے والے کی روح پر روحوں میں نمازِ
جنازہ ادا کرتے ہیں۔ ثم تستغفرله الی یوم یبعث پھر فرشتے اس کے لیے قیامت کے
دن تک استغفار کرتے رہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا ایسی عبادت
ہے جو فرشتے بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ استغفار عمومِ آیاتِ مبارکہ سے بھی ثابت ہے
قرآنِ کریم میں ہے الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمدر بهم
ویؤمنون به ویستغفرون اللذین امنوا الایات۔ یعنی وہ فرشتے جو حاملینِ عرش ہیں اور
وہ جو عرش کے اردگرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور ایمان لاتے
ہیں ساتھ اس کے اور استغفار کرتے رہتے ہیں ایمانداروں کے لیے۔" آخر دعاء تک نیز
قرآن کریم میں ہے والملئکة یسبحون بحمد ربهم ویستغفرون لمن فی الارض
فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار
کرتے رہتے ہیں۔" میت تو میت اور محتاج ہے میت کے احسان کرنے والے پر بھی بعد از
نمازِ جنازہ دعاء فرمائی حدیث طویل مرفوع سے ثابت ہے سنن دار قطنی ص ۳۰۸ طبع دہلی،
کشف الغمہ ص ۱۶ جلد ۲، عمدۃ القاری علی البخاری ص ۶۶۵، ص ۶۶۲ جلد ۵ فتح الباری ص
۳۶۹ جلد ۴ مطبوعاتِ مصر میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضرتِ مولیٰ علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میت کا قرض اپنے ذمہ لیا تو حضور پاک ﷺ نے اس پر نماز پڑھائی
پھر حضرتِ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو یہ دعا فرمائی۔ جزاک اللہ خیرا فک اللہ رهانک
کما مککت رهان اخیک اور اس دعا کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو مرنے والا
اس حالت میں مرے کہ اس پر دین (قرض وغیرہ) ہو تو وہ اپنے دین کے بدلے گروی ہی

رکھا ہوا ہوتا ہے پھر ہر اس شخص کے لیے جو میت کے دین ادا کر کے گروی چھڑائے یہ دعا
دی ومن فک رهان میت فک اللہ رهانه یوم القیامة تو آفتابِ نیمروز ماہ نیم کی
طرح واضح ہوا کہ بعد از نمازِ جنازہ دعاء جائز ہے، کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر آخر نمازِ جنازہ
میں بھی کھڑے ہو کر ہی دعاء کیا کرتے ہیں اور کسی آیت یا حدیث بلکہ امام معتمد کی تصریح
کسی کتابِ مستند میں قطعاً کوئی نہیں دکھا سکتا کہ بعد از نمازِ جنازہ کھڑے ہو کر ایسی مختصر
دعائیں ناجائز ہیں۔ ہاں یوں کھڑے رہنا جائز نہیں کہ کھڑے ہی رہیں اور دفن میں دیر کر
دیں۔ یوں کھڑے رہنا تو بلا دعاء بھی منع ہے مگر یہ اور چیز ہے۔ فوری دعاء جس سے دیر نہ
ہو دلائل مذکورہ بالا کی رو سے یقیناً جائز ہے اور بعض لوگ جو یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب جنازہ
میں دعاء ہو گئی تو دوبارہ کیوں کی جائے؟ تو ان کا یہ شبہ بھی دلائل مذکورہ بالا سے اُٹھ گیا نیز
کثرت وتکرارِ دعاء یقیناً جائز ومستحب ومستحسن ہے کما اثبتنا ھا بالدلائل المحکمة
فی فتاو انا من الکتاب والسنة لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ دوبارہ کیوں نہ کی جائے؟ جو کہے،
دلیلِ شرعی سے عدمِ جواز ثابت کرے ہم نے تو جواز ثابت کر دیا۔
بدائع صنائع ص ۳۱۲ جلد ۱ میں اسی تکرارِ دعاءِ بعد از جنازہ کے اثبات میں فرمایا
ان التنفل بالدعاو والاستغفار مشروع۔ یعنی دعا و استغفار نفلی طور پر دوبارہ شروع
کرنے مشروع ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) دفنِ میت کے بعد خصوصی طور پر اس کے لیے بخشش مانگنے اور جواب منکر ونکیر
میں کامیاب رہنے کی دعاء کرنے کا حکم حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
روایت سے ثابت ہے سننِ ابوداؤد ص ۳ جلد ۲ بیہقی ص ۵۶ جلد ۴، عمل الیوم
واللیلہ لابن السنی ص ۱۵۸ حاکم بحکم صحت وتقریر ذہبی مستدرک ص ۳۷۰ جلد ۱
میں بہ کلماتِ متقاربہ ہے والنظم للبیهقی کان النبی صلی اللہ علیه وسلم
اذا فرغ من دفن المیت قال استغفر والمیتکم وسلوا له التثبیت فانه
الأن یسئل۔ یعنی پیارے مصطفیٰ ﷺ جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے تو

فرماتے اپنے میت کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے سوالِ تثبیت کرو اس
لیے کہ وہ ابھی سوال کیا جائے گا صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال و
جواب سے فارغ ہونے تک یہ استغفار و دعائے تثبیت جاری رہیں تو بہت ہی
اچھا ہے اور مقبور کی سخت احتیاج کے وقت بہترین امداد ہے۔ سراج المنیر شرح
جامع الصغیر ص ۱۳۳ جلد ۳ طبع مصر میں ہے (وسلوا) اللّٰہ (له التثبیت) ای
اطلبوا له منه ان یثبت لسانه وجنانه لجواب الملکین افانه الأن یسئل
ای یسئله الملکان منکرو نکیر فهو احوج الی الدعاء حالانکہ ان
سوالاتِ منکر ونکیر کا سلسلہ کافی دیر تک قائم رہتا ہے۔ صحیح مسلم ص ۷۶ جلد ۱ اصح
المطابع سنن، بیہقی ص ۵۶ جلد ۴ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
وصیت میں ہے والنظم للمسلم ثم اقیموا احول قبری قدر ما تنحر
جزور و یقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع به رسل
ربی یعنی بعد از دفن میری قبر کے گردا گرد اتنے وقت کے لیے ٹھہرے رہنا کہ
اونٹ نحر کیا جائے اور اس کا گوشت بانٹا جائے تاکہ میں تمہارے ساتھ اُنس
حاصل کرتا رہوں اور دیکھ لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر ونکیر) کو کیا
جواب دیتا ہوں۔" مرقات ص ۸۱ جلد ۴ میں استانس بکم کی شرح میں فرمایا
ای بدعاء کم واذ کارکم وقراء تکم و استغفار کم یعنی تمہاری دعاؤں
اور ذکروں اور قرآن خوانی و استغفار سے۔"

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو نحر کر کے گوشت بنا کر تقسیم کرنے پر
جتنا وقت خرچ آتا ہے اتنے وقت کے لیے سوالات ہوتے ہیں اور زیادہ وقت تک جاری
رہنے کی نفی نہیں اور شرح الصدور ص ۵۷، کشف الغمہ ص ۱۷۴ جلد ۱، ثمار التنکیت مصنفہ
صدیق حسن خان بھوپالی ص ۷۶ تا ۷۷، تفسیر درالمنثور ص ۸۳ جلد ۴ میں احادیثِ موقوفہ
لفظاً، مرفوعہ حکماً سے ہے کہ یہ سلسلۂ سوالات سات دن تک جاری رہتا ہے اور الحاوی

للفتاویٰ طبع درب الاتراک میں ص ۱۷۸ سے ص ۱۹۵ تک جلد ۲ انہی احادیث کی تحقیقِ انیق
ہے، شرح الصدور کے لفظ یہ ہیں واخرج الامام احمد فی الزهد وابو نعیم فی
الحلیة عن طاؤس قال ان الموتیٰ یفتنون فی قبور هم سبعافکانوا یستحبون ان
یطعم عنهم تلک الایام یعنی امام احمد نے زہد میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت طاؤس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں بے شک مردے اپنی قبروں میں سوال
کیے جاتے ہیں سات دن تک پس پسند کرتے تھے وہ (صحابہ کرام) یہ کہ ان دنوں میں کھانا
مردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے کھلایا جائے۔ حاوی ص ۱۸۳ جلد میں ہے۔ فالحکم
علیٰ مثل هذا بالرفع من الامور التی اجمع علیه اهل الحدیث یعنی بالاجماع ایسی
حدیثیں حکماً مرفوع ہیں اور یونہی بھوپالی نے بھی ثمار التنکیت کے ص ۷۷ میں لکھا ہے نیز
حاوی کے ہی صفحہ میں ہے اذا تقرر ان اثر طاؤس حکمه الحدیث المرفوع
المرسل واسناده الی التابعی صحیح کان حجة عندالائمة الثلاثة ابی حنیفة
ومالک واحمد مطلقا من غیر شرط یعنی یہ حدیثیں مرفوع حکمی صحیح الاسناد حضرات
امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد کے نزدیک بلا کسی شرط کے دلیل قوی ہے پھر آگے
امام شافعی کے نزدیک بھی دلیل قوی ہونے کا بیان مفصل ہے پھر یہ بھی ظاہر کہ صحابہ کرام
سات سات دن تک اس اطعامِ طعام سے مقصود یہ تھا کہ میت کی امداد جاری رہے اور منکر
نکیر کے جوابات میں اس کے دل وزبان ثابت رہیں۔ حاوی ص ۱۸۵ جلد ۲ میں ہے ان
ار خبار عن الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم بانهم کانوا یستحبون الاطعام عن
الموتیٰ تلک الایام السبعة صریح فی ان ذٰلک کان معلوما عندهم وانهم
کانوا یفعلون ذٰلک لقصد التثبیت عند الفتنة فی تلک الایام اور جب سات دن
تک بالخصوص دعاء و استغفار کا کرنا بوجہ وجودِ علت سوال ثابت ہو رہا ہے نیز اطعام صحابہ
سے سات دن تک دعاء استغفار وقرآن خوانی کا جواز و استحباب یوں بھی مستفاد کہ دلائل

شرعیہ میں یہ تفریق قطعاً نہیں کہ ایک عمل کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور دوسرے کا نہیں بلکہ نصوصِ کثیرہ سے تمام اعمالِ خیر کا ثواب پہنچنا ثابت ہے یہ صرف ہمارے ہی ائمہ کا فرمان نہیں بلکہ مخالف حضرات کے مسلم مقتدا بھی یہی اقرار کرتے ہیں نواب صدیق حسین خان صاحب کی کتاب ثمار التنکیت ص ۱۰۲ میں ہے فای نص اوقیاس او قاعدة من قواعد الشرع یوجب وصول احد هما ویمنع وصول الاخر بل هذه النصوص متظافرة علی وصول ثواب الاعمال من الحیاء الی الاموات الخ۔ ابن قیم کی کتاب الروح ص ۲۲۷ میں ہے وهل هذا الاتفریق بین المتماثلاتـد تو بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ سات دن تک میت کے لیے دعاء و استغفار اور اطعام و قرآن و فاتحہ خوانی بالخصوص مفید تثبیت اور جائز و مستحسن ہیں، اور جب سات دن تک جائز ہے تو صرف چالیس قدم چلتے ہی کیسے ناجائز ہو جائے گی تو آفتابِ تاباں سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ چالیس قدم پر دعاء جائز ہے اور مفید و مستحسن ہے اور یوں ہی چالیس قدم سے پہلے اور پیچھے بھی جائز و مفید ہے چالیس کی تخصیص محض اتفاقی طور پر ہے کہ غالباً اس تک امتحانِ میت شروع ہو جاتا ہے اور وہ پانی میں ڈوبنے والے فریادی کی مانند امداد کا بہت زیادہ مستحق ہوتا ہے اور حاضرین امتحان سے فارغ ہونے تک عادۃً ٹھہرا نہیں کرتے لہٰذا قبر پر دعا مانگ کر روانہ ہونے کے بعد جاتے جاتے کچھ اور دعا بھی کر جاتے ہیں اور پھر سات دنوں تک نوبت بہ نوبت فاتحہ خوانی بھی جاری رکھتے ہیں اور شرع مطہر سے ممانعت قطعاً نہیں بلکہ دلائلِ جواز بے شمار موجود تو یقیناً جائز ہے۔

وہی نواب بھوپال اسی کتاب کے ص ۱۰۱ میں مسئلہ ایصالیہ میں کہتے ہیں وهب انه مافعل هذا احد منهم فانه لایقدح فیهم لانه مندوب لا واجب ولا نه قدثبت لنا دلیل جواز فعله سواء سبقنا الیه احد اولا. شرح الصدور ص ۱۲۷ میں دیلمی اور بیہقی کی شعب الایمان سے اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶ اصح المطابع میں ہے عن عبد اللہ بن

عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب اوام او اخ او صدیق فاذا الحقته کان احب الیه من الدنیا ومافیها وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وان هدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم رواه البیهقی فی شعب الایمان مظاہر حق ص ۲۹۲ جلد ۲ طبع لکھنؤ میں اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے، روایت ہے عبداللہ بن عباس سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں ہوتا ہے مردہ قبر میں مگر مانند ڈوبنے والے فریاد کرنے والے کے کہ کوئی ہاتھ اس کا پکڑے، منتظر ہوتا ہے دعا کا کہ پہنچے اس کو باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے یا دوست کی طرف سے پس جس وقت کہ پہنچتی ہے دعاء اس کو ہوتا ہے پہنچنا دعا کا بہت پیارا طرف اس کی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے اور تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ پہنچاتا ہے قبر والوں کو بسبب دعاء زمین والوں کے مانند پہاڑوں کے یعنی ثواب بڑا اور رحمت اور بخشش اور تحقیق تحفہ زندوں کا طرف مردوں کی استغفار کرنا ہے ان کے لیے نقل کی یہ بیہقی نے شعب الایمان میں۔"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ بھی تذکرۃ الموتیٰ ص ۳۵ میں بیہقی اور دیلمی سے یہ ذکر فرماتے ہیں بناء علیہ زیادہ دعاء و خیرات و فاتحہ خوانی و استغفار سے ایسے نازک وقت میں خصوصاً اولین اوقات ہیبت ناک میں امداد میت کی بہت زیادہ ضرورت ہے مگر بعض لوگ اس تھوڑی سی امداد سے بھی روکنے کے درپے ہیں جو مستحسن نہیں مستحسن یہ ہے کہ ایسے امورِ خیر پر جو رائج ہیں قائم رہتے ہوئے اور زیادہ امداد کی طرف توجہ دی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه واله واصحابه وبارک وسلم۔

(فتاویٰ نوریہ۔ جلد اول)

زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا

عہد حاضر میں نامور دینی سکالر اور خانقاہ قادریہ عالیہ مراڑیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد اشرف القادری محدث نیک آبادی کی خدمت میں سید امجد علی شاہ نے کڑیانوالہ سے ایک الاستفتاء ارسال کیا جس میں پوچھا گیا کہ

''...... زید کہتا ہے کہ زوال کے وقت سجدہ والی نماز منع ہے نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ اس میں سجدہ نہیں ہے، بکر نے کہا کہ ایسا مسئلہ نظر سے نہیں گزرا۔ میں کتابیں دیکھوں گا۔ حالانکہ دونوں عالم ہیں اور بکر تو فاضل بھی ہے۔ لہٰذا ہمارا سوال یہ ہے کہ:

سوال: ''دوپہر کو زوال کے وقت جنازہ پڑھنا، ازروئے شریعت مطہرہ درست ہے یا کہ منع ہے؟

حدیث شریف اور فقہ احناف سے مع متن درج فرمائیے! بینوا وتوجروا!!

محدث نیک آبادی کا اہم فتویٰ

مسئلہ مسئولہ کے بارے میں دو قسم کی حدیثیں وارد ہیں۔

قسم اول

مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم بہ اسانید صحیحہ، سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهِنَّ، اَوْ اَنْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا، حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ، وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ، وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ." ("الصحيح" "مسلم كتاب فضائل القرآن باب الاوقات

التی نهی عن الصلوة فیها" (۲۷۶/۱)، طبع اصح المطابع، کراچی. و "السنن": النسائی "کتاب المواق، الساعات التی نهی عن الصلوة فیهاء النهی عن الصلوة نصف النهار" (۹۶،۹۵/۱)، طبع اصح المطابع، کراچی. و "السنن" ابو داؤد "کتاب الجنائز، باب الدفن عنه طلوع الشمس و غروبها" (۴۵۵،۴۵۴/۲) طبع اصح المطابع، کراچی. "الجامع السنن": الترمذی "ابواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة الصلوة علی الجنازة عند طلوع الشمس و غروبها" (۲۰۰/۱)، طبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی. و "السنن": ابن ماجه "ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی الاوقات التی لا یصلی فیها علی المیت ولا یدفن" (ص:۱۰۰)، طبع اداره احیاء السنة النبویة، سرگودها)

''رسول اللہ ﷺ ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے یا اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے: جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور جس وقت دوپہر ہو جائے جب تک سورج ڈھل جائے اور جس وقت سورج غروب ہونے کے قریب ہو، یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔''

ترمذی نے اس حدیث کو بیان کرکے فرمایا: ''حسن صحیح'' یعنی ''یہ حدیث حسن صحیح ہے'' ایک دو سطر کے بعد کہا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: ''معنی هٰذَا الْحَدِيْثِ ''اَوْ اَنْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا'' يَعْنِي الصَّلٰوةَ عَلَى الْجَنَازَةِ'' یعنی ''حدیث پاک میں ''اموات کو دفن کرنے'' سے مراد نماز جنازہ پڑھنا ہے۔''

امام جمال الدین الزیلعی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بعض روایات میں ''دفن اموات'' کی بجائے نماز جنازہ کا لفظ صراحۃً بھی وارد ہوا ہے چنانچہ امام ابوحفص عمر بن

شاہین نے ''کتاب الجنائز'' میں اپنی سند کے ساتھ حدیث بالا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ نُّصَلِّيَ عَلٰى مَوْتَانَا عِنْدَ ثَلَاثٍ: عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ.'' اِلٰى آخِرِهٖ.

(''الراية التخريج احاديث الهداية'' جمال الدين الزيلعي ''كتاب الصلوة، باب المواقيت، فصل في الاوقات المكروهة'' (۱/۲۵۰) طبع المجلس تعلمي، كراچي)

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین اوقات میں اپنے اموات کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ایک طلوع آفتاب کے وقت۔'' تا آخر۔

قسم ثانی

(۱) بخاری، مسلم اور بے شمار ائمہ محدثین اپنی صحیح سندوں کے ساتھ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ'' (''الصحيح'' البخاري ''كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة'' (۱/۱۷۶)، طبع اصح المطابع، کراچی۔ و ''الصحيح'': مسلم ''كتاب الجنائز، الاسراع بالجنازة'' (۱/۳۰۶) طبع اصح المطابع، کراچی)

''جنازے کو (نماز و دفن کے لیے) جلد لے چلو۔''

(۲) ترمذی نے ایسی اسناد کے ساتھ جس کے راویوں کو علامہ میرک نے ''رجال ثقات'' کہا (مرقاۃ شرح المشکوۃ ۲/۱۳۶)، سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''يَا عَلِيُّ! ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ، وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُواً......'' (''الجامع السنن'':

الترمذی ''ابواب الصلوة، باب ماجاء في الوقت الاول من الفضل'' (۱/۴۳) طبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

''اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں تاخیر مت کرو: ایک نماز جب اس کا وقت (مسنون) ہو جائے، دوسرا جنازہ جب حاضر ہو، تیسری بے شوہر عورت جب تمہیں اس کا جوڑ کا رشتہ مل جائے۔''

(۳) ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَا تُؤَخِّرُ وَالْجَنَازَةَ اِذَا حَضَرَتْ.'' (''السنن'': بن ماجه ''ابواب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في الجنازة لا تؤخر اذا حضرت'' (ص:۱۰۸) طبع ادارة احياء السنة النبوية، سرگودھا)

''جب جنازہ تیار موجود ہو، تو اس میں تاخیر نہ کرو۔''

احادیث قسم اول سے معلوم ہوتا ہے کہ تین اوقات یعنی طلوع، استوا (جسے عرف عام میں زوال کہتے ہیں)، اور وقت غروب میں نماز جنازہ کا پڑھنا ممنوع ہے۔ جبکہ احادیث قسم ثانی کا تقاضا یہ ہے کہ جنازہ جب تیار موجود ہو تو فوراً اس پر نماز پڑھ لینی چاہیے، خواہ کوئی سا بھی وقت ہو، مکروہ یا غیر مکروہ۔

اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے فقہاء کرام پہ! کہ انہوں نے دونوں قسم کی احادیث کے محمل و مصداق کا تعین کرتے ہوئے وضاحت فرما دی کہ منع کا حکم اس صورت سے متعلق ہے جب وقت مکروہ کے شروع ہونے سے پہلے جنازہ تیار کر کے رکھا ہوا تھا، پھر اتنی دیر کر دی کہ وقت مکروہ آ گیا اور قسم ثانی کی احادیث میں بلا تاخیر جنازہ پڑھ لینے کے حکم کا تعلق جنازے کی تیاری ہو جانے سے ہے۔ یعنی جس وقت جنازے کی تیاری مکمل ہو جائے تو بلا تاخیر اسی وقت جنازہ پڑھ لینا مسنون ہے، خواہ کوئی سا وقت بھی ہو تو اس صورت میں اوقات طلوع واستوار، یا غروب کے اندر بھی جنازہ پڑھا جائے تو اس میں

کوئی کراہت یا ممانعت نہیں۔ بلکہ اسے وقت مکروہ کے ختم ہونے تک لیٹ کرنا مکروہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ شیخ نظام اور ان کے تدوین فتاویٰ میں رفقاء ''فتاویٰ امام قاضی خان'' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ثَلَاثُ سَاعَاتٍ لَا تَجُوْزُ فِيْهَا الْمَكْتُوْبَةُ وَلَا صَلَاةُ الْجَنَازَةِ وَلَا سَجْدَةُ التِّلَاوَةِ: اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَعِنْدَ الْاِنْتِصَافِ اِلٰى اَنْ تَزُوْلَ وَعِنْدَ احْمِرَارِهَا اِلٰى اَنْ تَغِيْبَ اِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ.'' (''فتاویٰ عالمگیری'': علامه نظام و رفقائه ''کتاب الصلوٰة، الباب الاول فی المواقیت، الفصل الثالث الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوة و تکره فیها'' (۱/۵۳)، طبع مکتبه ماجدیه، کوئٹہ)

''تین اوقات میں کوئی فرض نماز جائز ہے نہ نماز جنازہ، اور نہ سجدہ تلاوت: جب آفتاب طلوع ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے، اور دوپہر کے وقت تاوقتیکہ آفتاب ڈھل جائے، اور آفتاب کے سرخ ہو جانے کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے، مگر اسی روز کی عصر۔''

علامہ موصوف مزید ''السراج الوہاج'' اور ''کافی'' اور ''تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق'' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَهٰذَا اِذَا وَجَبَتْ صَلَاةُ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةُ التِّلَاوَةِ فِيْ وَقْتٍ مُبَاحٍ وَاُخِّرَتَا اِلٰى هٰذَا الْوَقْتِ فَاِنَّهٗ لَا يَجُوْزُ قَطْعًا. اَمَّا لَوْ وَجَبَتَا فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ وَاُدِّيَتَا فِيْهِ جَازَ لِاَنَّهَا اُدِّيَتْ نَاقِصَةً كَمَا وَجَبَتْ. كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ وَهٰكَذَا فِي الْكَافِيْ وَالتَّبْيِيْنِ.'' (''فتاویٰ عالمگیری'' علامه نظام و رفقائه ''کتاب الصلوٰة، الباب الاول فی المواقیت، الفصل الثالث الاوقات التی لا تجوز فیها الصلوة و تکره فیها'' (۱/۵۳)، طبع مکتبه ماجدیه، کوئٹه)

''اور یہ (ممانعت) اس صورت میں ہے جب نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کا وجوب تو مباح (غیر مکروہ) وقت میں ہو چکا تھا، لیکن انہیں وقت مکروہ تک مؤخر کر دیا گیا، تو یہ بالکل ناجائز ہے۔ لیکن اگر ان کا وجوب اسی وقت ممنوع کے اندر ہوا تھا، اور وقت ممنوع ہی میں انہیں ادا کر لیا گیا تو یہ بلا کراہت جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کو ناقص ادا کیا گیا، جیسا کہ ان کا وجوب ناقص ہوا تھا۔ ایسا ہی ''السراج الوہاج'' میں ہے اور اسی طرح ''کافی'' اور ''تبیین'' میں بھی ہے۔''

یہ مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ، بلکہ زیادہ مفصل علامہ شامی کی کتاب ''رد المحتار فی شرح الدر المختار'' (۱/۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۵)، طبع مصر قدیم ''کتاب الصلوٰۃ'' کے ''اوقات مکروہہ'' میں بھی موجود ہے۔ جسے ضرورت ہو دیکھ لے۔ ان تفصیلات کو صدر الشریعہ، علامہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ صرف دو فقروں میں سمیٹتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے!

''جنازہ اگر اوقاتِ ممنوعہ میں لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس صورت میں ہے کہ (جنازہ) پیشتر سے تیار موجود ہے، اور تاخیر کی، یہاں تک کہ وقت کراہت آ گیا''۔
(''بہار شریعت'' مولانا امجد علی اعظمی ''نماز کا بیان، اوقات مکروہہ'' (۳/۱۶)، طبع مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

فائدہ: وقت مکروہ، ناقص وقت ہے جب ناقص وقت میں جنازہ تیار ہوا تو وقت ناقص ہی میں اس کی ادائیگی بھی واجب ہوئی۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ: ''جنازہ تیار ہو تو اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرو۔'' تو ایسی صورت میں اوقات مکروہہ میں جنازہ پڑھنا، حالت وجوب کے عین مطابق ہے۔ یعنی جیسا مکروہ وقت میں واجب ہوا، ویسا ہی مکروہ وقت میں ادا کیا گیا۔ لہٰذا اس میں کچھ کراہت نہ ہوگی۔

اس تقریر سے یہ بھی پتہ چلا کہ نماز جنازہ کا یہ امتیاز، سجدہ والی نماز ہونے یا نہ

ہونے کے اصول پر مبنی نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جیسے وقت میں واجب ہوا تھا، اسی میں ادا ہو۔ لہٰذا کسی کراہت کا ارتکاب لازم نہ آیا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ، وَرَسُوْلُہُ الاکْرَمُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّم۔

محدث نیک آبادی کا اہم فتویٰ

حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد اشرف القادری محدث نیک آبادی کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا گیا کہ

''کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

چونکہ ہمارے یہاں اس مسئلہ میں کافی جھگڑا ہے ایک فریق اسے جائز بتاتا ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ یہ ناجائز وحرام ہے لہٰذا برائے مہربانی دلائل کے ساتھ ہماری راہنمائی فرمایئے۔ بینوا وتوجروا!''

دُعا بعد جنازہ پر محدث نیک آبادی کی تحقیق

اب ان کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

نماز جنازہ کے بعد دعا بلاشبہ جائز ومستحسن ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وسنت، ارشادات وعمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور کتب فقہیہ میں موجود ہے۔ جبکہ اسے ناجائز وحرام کہنے کی کتاب وسنت سے قطعاً کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی کتب فقہ حنفیہ وغیر حنفیہ سے اس کا حرام ہونا دکھایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا دعا بعد جنازہ کو ناجائز وحرام بتانا خود ناجائز وحرام ہوا۔

قرآن مجید دعاء بعد نماز جنازہ کے دلائل

پہلی آیت:

چنانچہ رب تعالیٰ قرآن مجید، فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

''اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَ دَعَانِ۔'' (''البقرہ'' ۱۸۶/۲۰)

''میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے۔''

اس آیہ کریمہ میں ہر وقت دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر وقت میں نماز جنازہ کے بعد کا وقت بھی شامل ہے لہٰذا آیت کے عموم میں نماز جنازہ کے بعد دعا کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ تو قرآن مجید سے دعا بعد جنازہ کا نہ صرف ثبوت ہی معلوم ہوا بلکہ اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہوا۔

دوسری آیت:

نیز رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''فَاِذَا فرغت فانصب. والی ربک فارغب.'' (''الانشراح'' ۹۴/۷-۸)

''تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔''

مفسرین کے ارشادات

☆ اس کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی وغیرہم سے مروی ہے:

اذا فرغت من الصلوۃ المکتوبۃ او مطلق الصلوۃ فانصب الی ربک فی الدعاء وارغب الیہ فی المسئلۃ۔'' (تفسیر مظہری'' ج:۱۰، ص۲۹۴ طبع انڈیا)

''جب تم نماز فرض یا کسی بھی قسم کی نماز سے فارغ ہو تو اپنے رب سے دعا کرنے میں لگ جاؤ اور اس کی بارگاہ میں سوال کرنے میں

رغبت کرو۔"

☆ اور اسی کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ امام خواجہ یعقوب چرخی (المتوفی:۸۷۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

"(فاذا فرغت) پس چون بپر داختی از نماز (فانصب) پس رنجه شو بدعاء بعد از نماز نیاز پیش آر ولقائے حق تعالی جو، و دنیا و آخرت از حق تعالی طلب کن چور بنده نماز بگزارد و دعا نکند نماز اور ابروئے او زنند." ("تفسیر یعقوب چرخی" ص: ۱۵۷، طبع قدیم هند)

"تو جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو، نماز کے بعد نیاز پیش کر کے حق تعالیٰ کی ملاقات ڈھونڈو، اور دنیا وآخرت حق تعالیٰ سے طلب کرو۔ جب بندہ نماز پڑھ کر دعا نہ کرے تو (حق تعالیٰ) اس کی نماز اس کے منہ پر مارتے ہیں۔"

سورۃ الانشراح کی ان دو آیتوں اور ان کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا حکم خداوندی ہے اور جو شخص اس دعا کو (معمولی سمجھ کر) نہ بجالائے اس کی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ نماز جنازہ بھی یقیناً ایک نماز ہے، لہٰذا نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بھی ان آیات کریمہ کی عمومی دلالت سے حکم خداوندی ثابت ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دعا کو حقیر و معمولی سمجھ کر انکار کرنے والوں کی نماز جنازہ بقول امام یعقوب چرخی قبول نہیں ہوتی، بلکہ ان کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

"چون از نماز فرض فارغ شوی دست خود را برائے دعا بردار." ("تفسیر فتح العزیز" پ: ۳۰)

"جب نماز فرض سے فارغ ہو تو دعا کے لیے اپنے ہاتھ اُٹھاؤ۔"

احادیث

اس مضمون پر متعدد احادیث مبارکہ بھی کتاب احادیث میں موجود ہیں۔ مگر ہم اس سلسلہ میں مندرجہ بالا آیات اور تفسیری اقوال پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب مسئلہ زیر بحث احادیث مبارکہ سے خصوصی پیش کرتے ہیں تاکہ حجت تمام ہو اور کسی جاہل سے جاہل کو بھی مجال شک اور منکر معاند کو جائے فرار باقی نہ رہے۔

پہلی حدیث:

چنانچہ امام محدث ابن النجار، پھر امام جلال الدین السیوطی، پھر امام علاؤالدین علی المتقی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ناقل ہیں کہ:

"ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صلی علی المنفوس ثم قال اللهم اعذه من عذاب القبر." ("کنز العمال" ج:۱۵ ص:۶۱۷، طبع جدید مصری)

"بے شک نبی پاک ﷺ نے ایک نوزائدہ کی نماز جنازہ پڑھی پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو عذاب (فتنہ) قبر سے پناہ دے۔"

دوسری حدیث:

امام فقیہ علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی (م ۵۸۷ھ) ایک حدیث نبوی بیان کرتے ہیں۔

"ولنا ماروی ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی علی جنازه، فلما فرغ جاء عمر ومعه قوم فاراد ان یصلی ثانیا، فقال له النبی صلی الله تعالی علیه وسلم الصلوة علی الجنازة لا تعاد ولکن ادع للمیت واستغفرله، وهذا نص فی الباب." ("بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" ج:۲، ص:۷۷۷،

طبع جدید مصری)

''ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی ہے کہ بے شک نبی اکرم ﷺ نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھی، جب پڑھ چکے تو حضرت عمر آپہنچے اور ان کے ہمراہ ایک گروہ بھی تھا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھیں، تو نبی پاک ﷺ نے ان سے فرمایا کہ نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی، ہاں! اب میت کے لیے دعا واستغفار کر لو۔ (امام کاسانی فرماتے ہیں) اور یہ حدیث مسئلہ زیر بحث میں صاف وصریح ارشاد ہے۔''

تیسری حدیث:

امام ابو عیسیٰ ترمذی اپنے جامع سنن میں، ابوداؤد اپنی سنن میں اور ابن ماجہ اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب." ("مشکوۃ المصابیح" مع "اشعۃ اللمعات" نولکشوری ج:۱، ص:۲۸۶)

''بے شک نبی پاک ﷺ نے جنازہ کے موقع پر فاتحہ پڑھی۔''

شاہ عبدالحق دہلوی کا فرمان:

اس کی تشریح کرتے ہوئے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"احتمال دارد کہ برجنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد، چنانکہ الان متعارف است." ("اشعۃ اللمعات" ج:۱، ص:۲۸۶)

''یہ حدیث احتمال رکھتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز جنازہ کے بعد یا اس سے پہلے فاتحہ پڑھی ہوگی تبرک کے ارادے سے، جیسا کہ آج کل (مسلمانوں میں) رواج ہے۔''

یہی مضمون ''مظاہر حق'' شرح ''مشکوٰۃ'' ج:۲،ص:۶۲ میں بھی موجود ہے۔

پہلی حدیث فعلی ہے جس میں صاف وصریح طور پر رسول اللہ ﷺ کے خود اپنے عمل سے دعا بعد جنازہ کا مسنون ہونا ثابت ہو رہا ہے اور دوسری حدیث قولی ہے جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنے حکم سے صحابہ کرام کو دعا بعد جنازہ کا اذن ارشاد فرما رہے ہیں اور تیسری حدیث میں بھی شرح کی روشنی میں اسی کی تائید فرمائی جا رہی ہے۔ تو کیا اس کے بعد بھی کسی مسلمان کو کسی مزید ثبوت یا دلیل کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے؟ نہیں! واللہ! ہرگز نہیں۔ لہٰذا اب کسی مسلمان کو گنجائش نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ اپنے پیارے آقا ومولیٰ کملی والے (ﷺ) کے ارشاد اور آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دعا بعد جنازہ کرنی اور اس مبارک عمل میں اپنی اور میت کی سعادت وخوش بختی سمجھنی چاہیے۔

چوتھی حدیث:

امام جلال الدین سیوطی مسند امام ابوبکر البزاز سے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تلاوت قرآن سے محبت رکھنے والا مومن جب انتقال کرتا ہے تو فتصلی الملائکۃ علی روحہ فی الارواح ثم تستغفرلہ......'' الحدیث۔ (''شرح الصدور'' ص:۵۳، مطبوعہ مصر)

''تو فرشتے ارواح میں اس کی روح کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں پھر اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔''

سبحان اللہ! دیکھیے! جنازے کے بعد دعا مانگنا کیسی پیاری سنت ہے کہ حق تعالیٰ کے فرشتے بھی اس سنت پر کاربند ہیں اور لیجیے اب صحابہ

کرام کا عمل ملاحظہ ہو!

پانچویں حدیث:

حضرت عمیر بن سعید فرماتے ہیں:

"صلیت مع علی علی یزید بن المکفف فکبّر علیه اربعا ثم مشی حتی اتاه فقال اللهم عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم فاغفرله ذنبه ووسع علیه مدخله ثم مشی حتی اتاه وقال اللهم عبدک وابن عبدک نزل بک الیوم فاغفرله ذنبه ووسع علیه مدخله فانا لا نعلم منه الا خیرا وانت اعلم به." ("مصنف ابن ابی شیبه" ج: ۳، ص: ۳۳۱، مطبوعه بمبئی، هند)

میں نے حضرت علی کے ہمراہ یزید بن مکفف کی نماز جنازہ پڑھی، تو حضرت علی نے اس پر چار تکبیریں (نماز جنازہ) پڑھیں، پھر چل کر اس کے قریب ہوئے پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہے جو آج تیرے یہاں حاضر ہوا، تو تو اسے اس کے گناہ بخش دے اور اس کی قبر اس پر فراخ فرما دے۔ پھر (حضرت علی) چلے اور اس کے مزید قریب ہو کر یہ دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! آج تیری بارگاہ میں تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا حاضر ہوا، پس تو اس کے گناہ معاف فرما دے اور اس پر اس کی قبر فراخ کر دے کیونکہ ہم اس کے بارے میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتے اور تو خود اس کے متعلق بہتر جانتا ہے۔

چھٹی حدیث:

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت فرماتے ہیں:

"عن ابی هریرة رضیٰ الله تعالیٰ عنه انه صلی علی

المنفوس ثم قال اللهم اعذ من عذاب القبر." ("السنن الکبیر" ج: ۴ ص: ۸، طبع بیروت)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک نومولود کی نماز جنازہ پڑھی، پھر یہ دعا کی اے اللہ! اس کو فتنہ قبر سے اپنی پناہ میں رکھنا۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ جب نومولود بچے کو، جو کہ گناہ سے معصوم ہے، فتنہ قبر سے بچانے کے لیے اس کے جنازے کے بعد دعا کی ضرورت ہے تو بالغ میت کو، کہ جس نے بکثرت گناہوں کا ارتکاب کیا ہوا ہو، عذاب قبر سے بچانے کے لیے کس قدر زیادہ دعاؤں خصوصاً نماز جنازہ کے بعد دعاء کی ضرورت ہوتی ہے۔

ساتویں حدیث:

امام شمس الائمہ السرخسی اور امام علاؤ الدین الکاسانی نقل فرماتے ہیں:

"ان ابن عباس وابن عمر رضی الله تعالی عنهم فاتتهما صلاة علی جنازة فلما حضرا ما زادا علی الاستغفار له." واللفظ للکاسانی. ("المبسوط" ج: ۲، ص: ۶۷ طبع بیروت
"بدائع الصنائع ج: ۲، ص: ۷۷۷، طبع جدید مصر)

"ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک نماز جنازہ سے رہ گئے تو جب حاضر ہوئے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے علاوہ کچھ نہ کیا۔"

آٹھویں حدیث:

مزید فرماتے ہیں:

"عن عبدالله بن سلام انه فاتته الصلاة علی جنازة عمر رضی الله تعالیٰ عنه فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوة علیه فلا

تسبقونی بالدعاء له." ("المبسوط" ج:۲، ص :٦٧ مطبوعه بیروت. "بدائع الصنائع" ج:۲، ص:۷۷۷، طبع جدید مصر)

''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ سے پیچھے رہ گئے تو جب پہنچے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے حضرت عمر کی نماز جنازہ تو مجھ سے پہلے پڑھ لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔''

اس سے روز روشن سے بڑھ کر واضح ہو رہا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد فوراً میت کے لیے دعا کرنا حضرات صحابہ کرام کا عام طور پر معمول تھا۔ فالحمد لله علی ذلک. تو یہ صحابہ کرام کا گویا کہ ایک قسم کا اجماع ہو گیا۔

فقہاء کرام کے ارشادات

اور اب ملاحظہ ہوں، ارشادات فقہاء حنفیہ رحمهم الله تعالی:

امام اعظم کا فرمان

سیدی امام عبدالوہاب شعرانی مسئلہ تعزیت میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ومن ذلک قول ابی حنیفة ان التعزیة سنة قبل الدفن لا بعده...... لان شدة الحزن انما تکون قبل الدفن فیری ویدعی له" ملخصا. ("کتاب میزان الشریعة الکبری" ج:۱، ص:۱۸۵، مطبوعه مصر)

''اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ دفن کے بعد.... اس لیے کہ غم کی شدت دفن سے پہلے ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا (قبل دفن ہی)

تعزیت اور میت کے واسطے دعا کی جانی چاہیے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے بعد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تعزیت مسنون ہے اور تعزیت میں میت اور پسماندگان کے لیے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے لہٰذا جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا کرنا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جائز، بلکہ سنت کے مطابق ثابت ہوا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت ''حدیث مشکوٰۃ'' کی تشریح کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔ نیز ''مظاہر حق'' کی عبارت کی طرف اشارہ بھی پیچھے مذکور ہو چکا، جس سے نماز جنازہ کے بعد دعاء فاتحہ کے جواز میں شیخ محدث اور صاحب مظاہر کی رائے معلوم ہو جاتی ہے۔

امام فضلی کی تصریح:

امام علامہ عبدالعلی البرجندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام اجل محمد بن الفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

"قال محمد بن الفضل لاباس به (ای بالدعاء بعد صلوة الجنازه)" ("برجندی شرح مختصر الوقایه" ج:۱، ص ۱۸۰، نولکشوری)

''امام محمد بن الفضل نے فرمایا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔''

مفتی بہ روایت:

اور صاحب ''کشف الغطاء'' قول بالعین نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فاتحه و دعاء برائے میت پیش از دفن درست است وهمیں است روایت معموله، کذافی خلاصة الفقه."

("العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه" ج:۴، ص: ۳۰، طبع فیصل آباد)

"دفن سے پہلے میت کے لیے فاتحہ اور دعا کرنا درست ہے یہی روایت معمولہ (مفتی بہ) ہے۔ ایسا ہی "خلاصۃ الفقہ" میں ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"قال فی اخر الفتاوی الخیریة وفی اول المضمرات اما العلامات للافتاء فقوله وعلیه الفتوی وبه یفتی وبه ناخذ وعلیه الاعتماد وعلیه عمل الیوم وعلیه عمل الامة وهو الصحیح وهو الاصح...... فلفظ الفتوی اکد من لفظ الصحیح والاصح، الخ" ("شرح عقود رسم المفتی" ص: ۳۸، طبع مصر)

"فتاویٰ خیریہ کے آخر میں اور فتاویٰ مضمرات کے اول میں فرمایا کہ (اختلاف روایات میں) کسی روایت کو مفتی بہ قرار دینے کی علامات مفتی یا فقیہ کا یہ کہنا ہے "اور اسی پہ فتویٰ ہے" اور "اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے" اور "ہم اسی روایت کو لیتے ہیں" اور "اس پر اعتماد ہے" اور "آج کل اسی پر عمل ہے" اور "اس پر امت کا عمل ہے" اور "یہی صحیح ہے" اور "یہی زیادہ صحیح" وغیرہ۔ تو فتویٰ کا لفظ "صحیح" اور زیادہ صحیح" کے لفظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے۔"

یہی علامہ شامی افادہ فرماتے ہیں:

"فی رد المحتار یظهر لی ان لفظ علیه العمل مساو للفظ الفتوی." ("العطایا النبوية فی الفتاویٰ الرضویه" ج:۴، ص:۳۰ طبع فیصل آباد)

"ردالمحتار میں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مجھ پہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

"اس پر عمل ہے" کے الفاظ (قوت وشوکت میں) "اسی پر قوی ہے" کے برابر ہیں۔"

ان تصریحات ائمہ سے ثابت ہوا کہ اختلاف روایات کی صورت میں (بشرطیکہ اختلاف ثابت بھی ہو جائے تو) صاحب "کشف الغطاء" اور صاحب "خلاصۃ الفقہ" کے ارشاد کے مطابق زیادہ صحیح، بلکہ مفتی بہ اور قابل عمل یہی روایت ہے کہ نماز جنازہ کے بعد اور دفن سے پہلے میت کے لیے فاتحہ و دعا کرنا بالکل جائز اور درست ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی روایت قرآن وحدیث، آثار صحابہ کرام و ارشاد امام ابو حنیفہ وقول امام فضلی (م۳۸۱ھ) کے مطابق ہے جیسا کہ تصریحات گزشتہ سے واضح و روشن ہے۔

وللہ الحجة السامیة فله الحمد ملا السموات والارض.

منکرین کے شبہات کا ازالہ

الحمد للہ حق دوپہر کے سورج سے زیادہ روشن ہو چکا اب ہم آخر میں مناسب سمجھتے ہیں کہ منکرین کے چند مشہور شبہات کے ازالے میں چند ارشادات عرض کر دیں تاکہ عذر انکار اصلاً باقی نہ رہے اور انکار کرنے والے یا تو ہدایت کا راستہ اختیار کرلیں اور یا لاجواب اور ساکت وساقط ہو جائیں۔

شبہ اول کا ازالہ:

منکرین کا پہلا شبہ یہ ہے کہ لکھا کرتے ہیں نماز جنازہ کے بعد دعا زمانہ نبوی سے ثابت نہیں لہٰذا بدعت ہے۔ جبکہ گزشتہ آیات واحادیث و دیگر حوالہ جات کی روشنی میں خود واضح ہے کہ یہ شبہ منکرین کا محض جھوٹ، بالکل غلط بلکہ افتراء محض ہے۔ صد افسوس! جو کام خود قرآن مجید، قول وفعل نبوی سے ثابت، عمل صحابہ سے موید اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہو

اگر وہی بدعت ہے تو پھر سنت کس چیز کا نام ہوگا بلکہ یوں تو لازم آتا ہے کہ منکرین کے مطابق معاذ اللہ قرآنی آیات، حدیث کے ارشادات، آثار صحابہ اور فقہ امام اعظم ابوحنیفہ معاذ اللہ یہ سب بدعت ہو جائیں۔

کہ برعکس نند نام زنگی کافور

جب دلائل واضحہ سے ثابت ہو چکا کہ جنازہ کے بعد دعا قرآن کی روشنی میں ثابت، سنت نبوی سے ثابت، عمل صحابہ اور فقہ امام ابوحنیفہ سے بھی ثابت ہے تو یہ تو ہرگز بدعت نہیں ہوسکتا۔ ہاں! البتہ منکرین کا اسے بدعت کہہ کر انکار کرنا ضرور بدعت و گمراہی ہے۔

شبہ دوم کا ازالہ:

منکرین عموماً کہا کرتے ہیں جب نماز جنازہ کے اندر دعا ہو چکی تو اب جنازہ کے بعد دوبارہ دعا کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا بعد جنازہ دعا مانگنا بے کار وفضول ہے۔ اور جو زیادہ بے شرم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنازے میں دعا مانگ لی تو اب جنازے کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے۔ (معاذ اللہ) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے بکثرت اور بار بار دعا مانگنا شرعاً محبوب و مرغوب، بلکہ مطلوب بھی ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص متکاثرہ متظاہرہ سے یہ ثابت ہے، بلکہ خود عمل نبوی اس کے مسنون ہونے پر مہر لگا رہا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا." ("صحیح مسلم" ج:۲، ص:۱۰۸، طبع دھلی)

"حضور ﷺ جب دعا فرماتے تو تین بار دعا فرماتے اور جب اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے تو تین بار مانگتے۔"

نیز فرماتے ہیں:

"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یعجبه صلی اللہ تعالی علیه وسلم ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا."

("کتاب عمل الیوم واللیلة" ص:۹۹ "سنن ابی داؤد" ج: ۱، ص: ۲۱۳ "مسند احمد" ج:۵، ص:۲۸۰،۲۹۰ وغیرھا واللفظ لابی داود)

"بے شک رسول اللہ ﷺ کو یہ پسند تھا کہ تین بار دعا فرمائیں اور تین بار استغفار فرمائیں۔"

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"دعا ثم دعا ثم دعا وفی روایة المسلم والنسائی: رفع یدیه ثلاث مرات." ("صحیح مسلم" ج: ۲، ص: ۲۲۱، ج:۱ ص:۳۱۳ "سنن نسائی" ج:۱، ص:۲۸۶)

"حضور ﷺ نے دعا فرمائی، پھر دعا فرمائی، پھر دعا فرمائی۔ تین بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔"

بحمد اللہ تعالیٰ روز روشن سے بڑھ کر واضح ہوگیا کہ بار بار اور بکثرت واصرار دعا کرنا نبی اکرم ﷺ کی محبوب سنت ہے۔ لہٰذا منکرین غور کریں کہ وہ کتنی پیاری سنت کو معاذ اللہ بے کار، فضول اور بدعت کہہ کر خواہ مخواہ اپنی عاقبت کیوں برباد کر رہے ہیں؟

شبہ سوم کا ازالہ:

منکرین کہا کرتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوتا ہے لہٰذا یہ دعا ناجائز ہونی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ زیادتی کا شبہ تب ہوسکتا ہے جب نماز جنازہ کے بعد یونہی قبلہ رخ صفوں میں کھڑے، ہاتھ باندھے ہوئے دعا کریں۔ حالانکہ دعا مانگنے والے عموماً نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ دیتے ہیں اور ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے ہیں، تو اس قدر ہیئت تبدیل ہو جانے کے بعد قطعاً زیادتی کا شبہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے۔

شبہ چہارم کا ازالہ:

چوتھا شبہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد میت کو جلد دفن کر دینا سنت ہے اور دعا بعد

جنازہ سے دفن کرنے میں دیر ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ دعا نہیں ہونی چاہیے اس کے جواب میں گزارش ہے کہ نماز جنازہ کے بعد اگر گھنٹہ، پون گھنٹہ تک دعا میں مشغول رہیں تو واقعی دفن میں تاخیر ہوگی۔ لیکن مروجہ دعا بعد جنازہ میں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لگتے، لہٰذا اس کی وجہ سے قطعاً دفن میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ وقت دفن سے پہلے دیگر کئی غیر ضروری کاموں میں لگا دیتے ہیں مگر وہاں کوئی دیر ہونے کا رونا نہیں روتا۔

دعا بعد جنازہ پر ایک اور تحقیق

جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے نامور مفتی مولانا قاضی محمد ایوب مدظلہٗ نے دُعا بعد از نماز جنازہ کے حوالے سے ایک سوال کیا کہ ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے یا بدعت اور ناجائز ہے؟ کے جواب میں اپنی تحقیقِ انیق یوں پیش فرمائی۔

اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے، اسے ناجائز یا بدعت کہنا سراسر زیادتی اور اصول فقہ سے ناواقفی کی دلیل ہے اور اس مسئلہ سے ملت کی صفوں میں افتراق و انتشار کی آگ بھڑکانا کسی ایسے شخص کو زیب نہیں دیتا جو شریعت اسلامیہ کے اسرار و معارف اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

حصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ مطلق کی تقلید کے لیے اسی پایہ کی دلیل ضروری ہے، جس پایہ کا مطلق ہو اگر مطلق قطعی اور یقینی ہے تو اس کا تقید بھی قطعی اور یقینی ہونا چاہیے اس لیے اگر مطلق قرآن کریم کی کوئی آیت ہے تو اس کی تقید کے لیے کوئی آیت یا حدیث متواتر پیش کرنی چاہیے محض قیاس سے اور قیاس بھی ایسا جس کی شرعی کوئی اساس نہ ہو اسکا مقید نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خبر واحد سے بھی اس کی تقلید درست نہیں۔ اب قرآن پاک کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیں۔

”واذا سالک عبادی عنی فانی قریب احیب دعوۃ الداع اذا دعان۔“

حضرت ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جو فارسی ترجمہ کیا ہے وہ پڑھیے:

”وچوں استفسار کنند ترا بندگان من از حال من پس ہر آئینہ من نزدیک ام قبول میکنم دعا دعاء کنندہ وقتیکہ دعا کند مرا۔“

یعنی جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں بالکل ان کے قریب ہوں اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جس وقت بھی وہ مجھ سے دعا مانگے۔

اگر آپ فارسی جانتے ہیں تو شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ سے عقدہ حل ہوگیا ہوگا اور جو لوگ فارسی نہیں جانتے ان کے لیے میں نے اردو ترجمہ کردیا ہے ممکن ہے بعض حضرات میرے اس ترجمہ کو تسلیم نہ کریں اس لیے ان کی خدمت میں امن کے اطمینان کے لیے مولانا محمود حسن صاحب کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

”اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی جب مجھ سے مانگے۔“

ان معتبر مترجمین کے ترجمے سے آپ کو یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جس وقت بھی دعا مانگی جائے وہ کریم اس دعا کو قبول فرماتا ہے۔ اسکی رحمت کا دروازہ ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے وقت کی تحقیق اور پابندی نہیں کہ فلاں وقت تو دعا مانگو اور فلاں وقت دعا نہ مانگو، جب اس کریم نے یہ اعلان فرما دیا کہ اس کے بندے جس وقت چاہیں اس کے حضور اپنی التجائیں پیش کریں اور اس کی بارگاہ میں دست دعا دراز کریں پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی طرف سے قیدیں لگاتا پھرے اور اس کے بندوں کے لیے دعا مانگنے کا وقت مقرر کرتا رہے ہاں اگر کسی کے پاس کوئی ایسی آیت یا ایسی حدیث متواتر ہے جس میں یہ تصریح کی گئی ہو کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگا کرو تو وہ پیش کرے ہم اپنی گردنیں اس کے سامنے جھکا دیں گے اور اس کے بعد ہرگز ہرگز نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں مانگیں گے۔

بعض لوگ بیجا مطالبہ کرتے ہیں کہ ثابت کرو کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد کبھی دعا مانگی ہو۔ ان کا یہ مطالبہ ناروا ہے اور قواعد فقہ کے خلاف ہے۔ مدعی دو ہیں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے اور دلیل پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہوا کرتا ہے ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی متواتر اگر متواتر نہیں تو مشہور اور اگر مشہور نہیں تو صحیح خبر واحد ہی پیش کریں جس میں حضور ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے سے منع فرمایا ہو۔

قواعد کے مطابق دلیل پیش کرنا اگرچہ ہماری ذمہ داری نہیں، لیکن ہم آپ کے سامنے ایسی احادیث پیش کرتے ہیں جن میں حضور ﷺ نے دعا بعد از نماز جنازہ مانگنے کا حکم فرمایا مزید برآں ہم آپ کو یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا بھی یہی معمول تھا اور وہ حضرات بھی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ جب غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور شیطان آپ کے پاس آیا اور آپ کے دل میں زندہ رہنے کی آرزو اور موت سے نفرت کے جذبات کو برانگیختہ کیا اس مرد مومن نے اسے جھڑکتے ہوئے فرمایا:

"الآن حین استحکم الایمان فی قلوب المومنین تمنینی الدنیا."

اے لعین اب جبکہ فرزندان توحید کے دل میں ایمان کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں کیا اب تو مجھے دنیا سے محبت کرنے کی تلقین کرتا ہے پھر آپ بہادروں کی طرح آگے بڑھے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا مانگی پھر فرمایا۔

"استغفروالاخیکم جعفرفانه شهید وقد دخل الجنة و هویطیر فیها بجنا حین من یا قوت حیث شاء مف الجنة
(الطبقات الکبریٰ سعد جلد نمبر ۴ طبع بیروت ص ۳۸،۳۴)

یعنی اپنے بھائی جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا مانگو بیشک وہ شہید ہیں اور جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور اپنے یاقوتی پروں کے ساتھ اڑتے ہیں جہاں چاہتے ہیں۔ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں مروی ہے۔

مشہور مؤرخ اسلام علامہ ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ء لکھتے ہیں:

فلمّامات النجاشی صلی علیه و استغفرلهٗ. (ج ۱ صفحہ ۳۲۴)

جب نجاشی نے وفات پائی تو حضور علیہ السلام نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے دعائے مغفرت مانگی یہاں یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ نجاشی کی میت حبشہ میں تھی اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موتہ کے میدان میں شہادت پائی آپ ہمیں کوئی مثال بتائیں کہ میت سامنے ہو اور حضور ﷺ نے نمازہ جنازہ کے بعد اس کی مغفرت کی دعا مانگی ہو۔ یہ شبہ ہرگز لائق التفات نہیں۔ احناف کے نزدیک تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے درمیانی پردے اٹھا دیئے تھے اور ان کی میتیں حضور ﷺ کے سامنے تھیں اس کے علاوہ ایسی احادیث کی بھی کمی نہیں کہ میتیں سامنے موجود ہیں اور حضور ﷺ نے صحابہ کو ان کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیا۔

یہاں صرف دو روایتیں ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کی دو مشہور ترین کتابوں میں انہیں بطور سند پیش کیا گیا ہے۔

بدائع الصنائع جس کے مؤلف امام علاؤ الدین کاشانی ہیں جن کا لقب ملک العلماء (علماء کا بادشاہ) تھا جن کی وفات ۵۸۷ میں ہوئی وہ تحریر فرماتے ہیں:

مولانا ماروی ان النبی ﷺ علیه وسلم علی جنازة فلما فرغ جاء عمرو معه قوم فأراد ان یصلی ثانیا فقال لهم النبی ﷺ الصلوٰة علی الجنازة لا تعدد ولکن اوع للمیت و استغفرلهٗ. (ج ۱ ص ۳۱۱)

یعنی ہماری دلیل یہ حدیث ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے

ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی جب فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک جماعت آ پہنچی۔ آپ نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاسکتی، لیکن تم میت کے لیے دعا مانگو اور اس کے لیے مغفرت طلب کرو گویا میت سامنے موجود ہے اور حضور نبی کریم ﷺ حضرت عمر کو ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ پڑھی جاچکی ہے اب نہ اس پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے اور نہ دفن سے پہلے اس کے لیے دعا مانگنی جائز ہے حالانکہ حضور ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا اب ایک منصف مزاج شخص خود ہی فیصلہ کرلے کہ جس کام کا حکم حضور ﷺ دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیتے ہیں کیا وہ جائز اور مسنون ہے یا بدعت اور گمراہی۔

اب آیئے آپ کو صحابہ کرام کا تعامل بتائیں کہ کیا حضور نبی کریم ﷺ سے دین سیکھنے والے اور حضور ﷺ کی صحبت سے شب و روز فیض یاب ہونے والے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے یا نہیں اس کے لیے دو احادیث پیش خدمت ہیں:

۱۔ روی ان ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فاتتھما صلوٰۃ علی جنازہ فلما حضرا مازاد علی الاستغفار لہٗ. (بدائع الصنائع ج اوّل ص ۳۱۱)

یعنی حضرات ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنھما سے ایک شخص کی نماز جنازہ فوت ہوگئی جب دونوں وہاں پہنچے تو اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

یہ حدیث امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المبسوط میں بھی نقل فرمائی ہے۔ (ج ۲ ص ۶۷)

۲۔ دوسری حدیث بھی شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی صفحہ پر نقل کی ہے ملاحظہ فرمایئے۔ (ج ۲ صفحہ نمبر ۶۷)

وروی عن عبد اللہ بن سلام انہ فاتتہ الصلوٰۃ علی جنازۃ

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلاسبقونی بالدعاء لہٗ.

یعنی حضرت عبداللہ بن سلام سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ فوت ہوگئی جب آپ پہنچے تو آپ نے حاضرین کو کہا کہ اگر تم آپ کی نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ سے سبقت لے گئے ہو تو اب آپ کے لیے دعا مانگنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنازہ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دعا مانگنے والے تھے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ مجھے بھی پہنچنے دیں اور دعائے مغفرت میں مجھے بھی شرکت کا موقع عطا کریں۔ یہی روایت علامہ کاشانی نے بدائع الصنائع ج ۱ صفحہ نمبر ۳۱۷ پر بھی درج کی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی دعا مانگنے والوں پر سب وشتم کرنے والوں کو رحم نہیں آئے گا کہ اگر مسلمان صحابہ کرام کی سنت پر عمل کرتے ہیں تو ان کو ضال، بدعتی اور معلوم نہیں کیا کیا کہا جاتا ہے۔

فقہ کی بعض کتب میں جو جنازہ کے بعد دعا کی ممانعت آئی ہے۔ ہمارے دوستوں نے کبھی ان کے الفاظ میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ورنہ وہ اس پریشانی میں مبتلا نہ ہوتے۔

جامع الرموز میں ہے:

ولایقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازہ لانہ یشبہ الزیادۃ.

کہ نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا نہ مانگو کیونکہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ نماز جنازہ میں زیادتی کر رہا ہے۔

اب اگر امام کعبہ سے منہ موڑ کر کھڑا ہو اور لوگ اپنی صفوں میں آگے پیچھے ہو کر دعا مانگیں یا بیٹھ کر دعا مانگیں تو اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ کسی احمق کو بھی نہیں ہوتا اور جب کسی حکم کی علت نہ رہے تو حکم بھی باقی نہیں رہتا۔

آخر میں اپنے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ پریشان نہ ہوں اور اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دُعا مانگنے میں بخل سے کام نہ لیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں جب بھی وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے تو وہ اسے قبول فرمائے گا بیشک جنازہ کو جلدی دفن کرنے کا حکم ہے، لیکن دعا میں دو منٹ نہیں تین منٹ لگ جائیں گے۔ اس سے کونسی ایسی تاخیر ہو جائے گی جس پر یہ طوفان برپا کیا جائے۔

آخر میں ان لوگوں کی خدمت میں بھی مؤدبانہ التماس کرتا ہوں کہ وہ بات کا بتنگڑ بنا کر اور اسے ایسے امور جن کا جواز قرآن و سنت سے ثابت ہے اس کو بدعت اور گمراہی کہہ کر امت مسلمہ میں تفرقہ اندازی کی عادت ترک کر دیں پہلے ہی ہمارا گریبان تار تار ہے پہلے ہی ہمارا جسم زخموں سے چور ہے۔ جو اتحاد و اتفاق کی صورتیں پہلے فتنہ پروازوں کی دست برد سے بچ گئی ہیں اب ان کو مسخ کرنے کا کام آپ انجام نہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی اس آیت کریمہ کو ہمیشہ یاد رکھیں۔

ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعالست منھم فی شیٔ انما
امرہ الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون.

بیشک وہ لوگ جنہوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۹)

اس پر جلال اور بارعب سرزنش کو بار بار پڑھیئے اور ملت کی یکجہتی کو نقصان پہنچانے سے باز آ جایئے۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل
نعم المولی و نعم النصیر.
و صلی اللہ علی البشیر النذیر البدر المنیر و علی آلہٖ و
اصحابہٖ و بارک وسلّم

حضرت مولانا مفتی محمد نقی علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "احسن الوعالا داب الدعا" میں فرماتے ہیں کہ جن اوقات میں دعا قبول ہوتی ہے ان میں مجمع مسلمانان بھی ہے۔ علماء فرماتے ہیں۔ جہاں چالیس مسلمان جمع ہوں۔ ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہو گا۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ذکر خدا اور رسول ﷺ کی مجلس میں ان کی دعاء پر فرشتے آمین کہتے ہیں مسلمان میت کے پاس خصوصاً جب اس کی آنکھیں بند کریں۔ یہاں بھی حدیث شریف میں آیا۔ اس وقت نیک ہی بات منہ سے نکالو کہ جو کچھ کہو گے۔ فرشتے اس پر آمین کہیں گے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے رقت قلب کے وقت دعاء غنیمت جانو کہ وہ رحمت ہے۔ اخرجہ الدیلمی عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جنازہ میں حاضرین عموماً چالیس سے زیادہ ہوتے ہیں اس وقت میت بھی حاضر ہوتی ہے اور رقت قلب بھی عموماً نصیب ہوتی ہے اس لیے یہ بھی قبولیت دعا کے اوقات میں سے ہے سو ضروری ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کی جائے۔
معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگنے کا پروپیگنڈہ کرنے والے سخت غلطی پر ہیں اللہ تعالیٰ ہر فتنے اور شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

قبر پر اذان

انڈیا سے نوجوان دینی سکالر مولانا محمد مجیب الرحمان قادری مظفر پوری نے اذان قبر کے حوالے سے چند دلائل جمع کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض مکاتیب فکر اذان قبر کو ایک بدعت اور غیر اسلامی طریقہ قرار دیتے ہیں۔

راقم اپنی کوشش کے مطابق قرآن و حدیث اور معتبر مستند کتابوں سے چند دلائل و شواہد جمع کر کے قارئین کی نذر کر رہا ہے عدل و انصاف کی ڈگر پر چلنے والوں سے گذارش ہے کہ چشمان ایمانی سے ان دلائل کا مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ حق و باطل کا امتیاز خود فرما لیں گے۔

دلیل (۱) شرعی اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ جن چیزوں سے شرع

نے منع نہ کیا ہو وہ اصلاً ممنوع نہیں ہو سکتیں اور اذان قبر سے بھی شرع نے منع نہیں فرمایا ہے اس لیے کوئی اگر اپنی طرف سے اسے منع کرتا ہے تو وہ شریعت پر افتراء کرتا ہے اور جو لوگ اس مسئلہ پر عمل پیرا ہیں وہ بلاشبہ شرع کے موافق کر رہے ہیں۔

دلیل (۲) جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال منکرین ہوتا ہے تو شیطان الرجیم وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب دینے سے بہکاتا ہے چنانچہ امام ترمذی محمد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نوادر الاصول میں امام اجل حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ: جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔

اس لیے حکم آیا ہے کہ میت کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔

اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں **اذا اذان المؤذن ادبر الشیطان و له حصاص** جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ وقت سوال شیطان لعین مردے کو بہکاتا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کرنے کو اذان کہو تو اذان قبر خاص ان حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد اور اعانت کا ذریعہ ہے۔

دلیل نمبر (۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ثنتان لاتردان الدعاء عند النداء وعند الباس دو دعائیں رد نہیں ہوتی ہیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **اذا نادیٰ المنادی فتحت ابواب السمآء و استجیب**

الدعاء جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اذان قبولیت دعاء کے اسباب میں سے ہے۔

اور ابو داؤد اور حاکم و بیہقی امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی **کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه قال استغفروا لاخیکم ثم صلوا له بالتثبیت فانه الآن یسال** یعنی حضور اقدس جب دفن میت سے فارغ ہوتے، قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے جواب منکرین میں ثابت قدم رہنے کی دعاء مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی **قال رسول اللہ ﷺ یقف علی القبر بعد ما سوی علیه فیقول اللهم نزل بک صاحبنا و خلف الدنیا خلف ظهره اللهم ثبت عند المسئلة نطقه ولاتبتله فی قبره بما لاطاقة له به** قبر درست ہونے کے بعد حضور ﷺ قبر پر کھڑے ہو کر دعاء کرتے الٰہی ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہوا اور دنیا اپنے پس پشت چھوڑ آیا الٰہی سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلاء نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔

فقہ کی مشہور و معروف اور معتبر و مستند کتاب ہدایہ کے اندر ہے۔

لاینبغی ان یخل بشئی من هذه الکلمات لانه هو المنقول فلا ینقص عنه و لو زاد فیها جاز لان المقصود الثناء و اظهار العبودیة فلایمنع من الزیادة علیه (ملخصاً) یعنی ان کلمات میں نہیں کرنی چاہئے کہ یہی نبی ﷺ سے منقول ہے تو ان سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی بندگی کا اظہار کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول دعاء میت میں کسی طرح کی کوئی

کی جائز نہیں ہاں اگر زیادتی ہو اور اس زیادتی سے اقوال رسول کی وضاحت ہو یا مزید فائدہ کا سبب بنے تو اس طرح کی زیادتی درست ہے۔

ان عبارات و اقوال سے ثابت ہوا کہ میت کے لیے دعاء کرنا سنت ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اذان مقبولیت دعاء کے لیے بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے اور ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جائز اور نفع بخش زیادتی درست ہے، تو اب کوئی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعاء مانگے اور اس کی قبولیت کے لیے اذان دے تو یہ اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کی تدبیر کرنا ہے اور شریعت سے معلوم ہوا کہ مومن کا مومن کو فائدہ پہنچانا بہترین عبادت ہے گویا ثابت ہوا کہ اذان دے کر اور دعاء مانگ کر مومن جہاں اپنے بھائی کی اعانت کرتا ہے وہاں وہ ایک عبادت بھی کرتا ہے جس کے ذریعے وہ ثواب پاتا ہے اور اس کے یہ سارے کارنامے عین حکم شارع ہیں اور قائلین جواز کے لیے اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور یہی مقصد رسول گرامی وقار ہے۔

دلیل نمبر (۴) ابن ماجہ اور بیہقی سعید بن مسیب سے راوی قال حضرت **ابن عمر فی جنازة فلما وضعها فی اللحد قال بسم الله وفی سبیل الله فلما اخذ فی تسویة اللحد قال اللهم اجرها من الشیطان ومن عذاب القبرثم قال سمعته من رسول الله** ﷺ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب اسے لحد میں رکھا کہا **بسم الله وفی سبیل الله** جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔

امام ترمذی حکیم قدس سرہٗ الکریم عمرو بن مرة سے روایت کرتے ہیں **کانوا یستحبون اذا وضع المیت فی**

تعزیت

وفات پاجانے والے مسلمان کے لواحقین سے اظہار تعزیت و ہمدردی سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری اپنے ''فتاویٰ برکات العلوم'' میں لکھتے ہیں کہ

ترمذی کی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا جو اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت میں تعزیت کرے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے کرامت کا جوڑا پہنائے گا تعزیت کا وقت موت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے دفن سے پیشتر بھی تعزیت جائز ہے۔ تعزیت کے الفاظ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمائے۔ اس کو سایہ رحمت میں جگہ دے اور تم کو صبر دے۔ میت کے اعزہ کا گھر میں بیٹھنا کہ لوگ ان کی تعزیت کے لیے آئیں۔ جائز ہے۔ لیکن شامیانے لگا کر بیٹھنا اور گپ بازی میں مشغول رہنا اور برادری کو کھانا دینا یہ بہت ہی غیر مناسب ہے میت کے پڑوسی یا دور کے رشتہ دار اگر میت کے گھر والوں کے لیے اس دن رات کے لیے کھانا بھیجیں تو بہتر ہے مگر یہ کھانا صرف میت کے گھر والے کھائیں اور انہیں کے لائق بھیجا جائے اوروں کو یہ کھانا کھانا منع ہے اور صرف پہلے دن کھانا بھیجنا سنت ہے۔ اس کے بعد مکروہ اور سوگ کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ کسی کے لیے تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ البتہ بیوی کے لیے شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن سوگ کرنا واجب ہے۔

سوالات قبر اور حضور ﷺ کی جلوہ گری

ابو داؤد' حاکم' بیہقی اور احمد نے حضرت براء بن عاذب ؓ سے روایت کی ہے کہ قبر میں دو فرشتے (نکیرین) آ کر تین سوالات پوچھتے ہیں جو یہ ہیں۔

من ربک. تیرا رب کون ہے؟

جواب ہوگا۔ میرا رب اللہ ہے۔

وما دینک. تیرا دین کیا ہے؟

جواب ہوگا۔ میرا دین اسلام ہے۔

..........پھر

بگڑی بن جائے گی اور گوہر مراد ملے گا۔ والی و مالک دو جہاں' آئینہ جمال کبریا ﷺ کی تشریف آوری ہوگی۔ قبر میں حضور ﷺ آئیں گے اور وہ جگہ بقعہ نور بن جائے گی پھر نکیرین پوچھیں گے۔

ماھذا الرجل بعث الیکم و فیکم تم اس ذات کریم کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تم میں سے تمہاری ہی طرف مبعوث ہوا؟

اب اگر مومن ہے تو جواب میں کہے گا کہ یہ میرے آقا و مولا' ممدوح کبریا' رسول خدا ﷺ ہیں۔ اب اس کی قبر جنت کی کیاری بنا دی جائے گی اور اگر منافق لعین ہوگا تو لاجواب ہوگا اور کہے گا "لا ادری' لا ادری" میں نہیں جانتا۔ میں نہیں پہچانتا۔ اس کے بعد مستحق عذاب ٹھہرے گا اور اس کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا جائے گا۔ آیئے دعا کریں۔ اے اللہ قبر میں حضور ﷺ کی پہچان اور حشر میں سرکار دو جہاں' محبوب کبریا ﷺ کی شفاعت نصیب فرما۔ آمین۔

مشہور ہے کہ حضرت بلال ؓ (موذن رسول) کے آخری وقت عجیب سماں تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے اور ان کی رفیقہ حیات رو رہی تھیں۔ انھوں نے اپنی بیوی سے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں کہ اے میرے سرتاج! آپ کی جدائی کا وقت ہے میں تو اس لیے رو رہی ہوں۔ یہ سن کر عاشق رسول ﷺ سیدنا بلال حبشی ؓ نے فرمایا کہ چپ ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ کیونکہ موت تو سرکار دو جہاں ﷺ سے ملاقات کا ایک بہانہ ہے اور حضور ﷺ کی زیارت سے سارے دکھڑے بھول جاتے ہیں اور غم غلط ہو جاتے ہیں۔ اس منظر کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے خوبصورت انداز اور مخصوص لہجے میں ڈھالا۔ ملاحظہ ہو۔

قبر میں سرکار ﷺ آئیں تو میں قدموں میں گروں
فرشتے گر اٹھائیں تو میں ان سے یوں کہوں
میں پائے ناز سے اے فرشتو کیوں اٹھوں؟
"مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلربا کے واسطے"
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کسی اور شاعر نے اسی مفہوم کو یوں شعر کے قالب میں ڈھالا ہے کہ

سن لیا ہے کہ میری قبر میں وہ آئیں گے
اس لیے مرگ کے آنے کی ہے حسرت مجھ کو

غیر مقلدین کی تحقیق اور سوالاتِ قبر

غیر مقلدین کے معتبر "فتاویٰ اہلحدیث" جو ان کے معروف عالم حافظ عبد اللہ روپڑی کی تحقیق ہے اور اسے ابوالسلام محمد صدیق نے مرتب کیا ہے قبر میں سوال و جواب کی کیفیت کے حوالے سے ان کا موقف ملاحظہ ہو۔

سوال: کیا قبر میں سوال و جواب کے وقت آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک میت کے سامنے ہوتا ہے؟ اس سوال کی تفصیل یہ ہے کہ قبر میں میت سے یہ سوال کیا جاتا ہے

مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کیا ہے؟ وہ جواب دیتی ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ یعنی محمد اللہ کا رسول ہے۔ یہ حدیث پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد ﷺ مردہ کے سامنے لائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے ما هذا الرجل الذی بعث فیکم کیونکہ لفظ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر اس لفظ ہذا کا کوئی دوسرا معنی ہے تو وہ بیان فرما دیجئے۔

(اے۔ای۔پٹیل   از جوہانسبرگ افریقہ)

جواب: اس سوال کا جواب مولوی محمد نانا سملا کی نے یہ دیا ہے۔

لفظ ہذا اس مذکر موجود شے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے موضوع ہے جو قریب ہو۔ عام اس سے کہ مذکر حقیقی ہو یا حکمی اور موجود خارجی ہو یا ذہنی روایت مذکورہ فی السوال نیز دیگر روایات مختلفہ فی الباب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں اور پھر اشارہ کر کے کہا جاتا ہے۔ اگر بندہ مومن ہے تو تمام اوصاف کو سن کر جواب دے گا۔ عبد اللہ و رسولہ۔ پس لفظ ہذا سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ اور بعضوں نے روایت مذکورہ فی السوال کی بنا پر یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک مکشوف ہوتا ہے اور مکشوف ہونے کے بعد کہا جاتا ہو ماتقول فی هذا الرجل مگر اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں دلی و هذه بشارة عظمی للمومن و ما ذالک علی الله بعزیز والله سبحانه و تعالیٰ اعلم.

حدیث شریف میں ہذا کے ساتھ الذی بعث بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول مبعوث سے سوال ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُس کو کیا کہتے ہو۔ ھذا کے ساتھ جب الذی آئے تو وہاں موجود مراد نہیں ہوتا مگر موصول مع صلہ کی طرف کلام کا رخ ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ من هذا الذی هو جندلکم اسی قسم سے ہے جن لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی شکل دکھائی جاتی

ہے۔ یہ اُن کا اپنا خیال ہے۔ جس کے ذمہ دار وہی ہیں۔

اس کا فیصلہ آپ فرمائیے۔ (اے۔ای۔پٹیل)

جواب: ھذا کی وضع محسوس مبصر مذکر کے لیے ہے جو قریب ہو۔ یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اس معنی کی بنا پر ترجیح اسی کو ہے کہ میت کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے اور میت کو آپ کا وجود یا وجود قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر "ہذا" کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ مکشوف ہونے پر کوئی دلیل نہیں یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ دلیل یہی ہذا کا لفظ ہے۔ جب اس کا حقیقی معنی یہی ہے تو مکشوف ماننا پڑے گا تا کہ حقیقی معنی بن سکے کیونکہ حقیقی معنی مقدم ہے۔ جب تک حقیقی معنی بن سکے مجازی نہیں لیا جا سکتا اور یہ کہنا کہ جب ہذا کے ساتھ الذی ہو تو کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہوتا ہے۔ یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ. ۳/۱۷

"اے محمد ﷺ! کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں۔ کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (بُرائی سے) ذکر کرتا ہے۔

اِس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سامنے ہے۔ پھر الذی بھی ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ موصول میں ضروری نہیں کہ کلام کا رُخ صلہ کی طرف اگر خارجی دلیل سے ثابت ہو کہ شے سامنے نہیں تو اس صورت میں کلام کا رخ صلہ کی طرف ہو سکتا ہے۔ جیسے آیت کریم "اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ" میں ایسا ہی ہے۔ چونکہ خدا کی ذات دنیا میں کسی کے سامنے نہیں اور نہ کوئی خدا کی ذات کو دنیا میں دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے فرمایا لن ترانی یعنی اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھے گا۔ اِس لیے اس آیت میں ہذا کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہے۔ اور حدیث هذا الذی بعث میں رسول اللہ ﷺ کی رویت سے کوئی مانع نہیں۔ درمیان سے پردہ مکشوف ہو کر رویت ہو سکتی ہے۔ پس

اس میں کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف نہیں ہوسکتا۔

اِس کے علاوہ الذی بعث کے یہ معنی کرنے کہ ''جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جواب کی عبارت ہے'' وہ خدا کا رسول ہے۔'' تو جواب فضول گیا اس لیے الذی بعث کے معنی جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا نہ کرنے چاہئیں بلکہ اس کے معنی ''جو تم میں اٹھایا گیا یا پیدا کیا گیا۔'' کیے جائیں۔ شاید کہا جائے کہ پہلے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا) لینے کی صورت میں یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا۔ کیا تم اس کو رسول مانتے ہو۔ مومن جواب دے گا کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ اور کافر کوئی جواب نہیں دے گا اور یہ مطلب صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا کافر اس لیے جواب نہیں دے گا کہ اس کو جواب کا علم نہیں ہوگا یا اس لیے جواب نہیں دے گا کہ وہ انکار پر اڑ جائے گا۔

پہلی صورت تو ٹھیک نہیں کیونکہ سوال سے اس کو علم ہو چکا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ جواب کا اس کو علم نہیں۔ اور دوسری صورت بھی ٹھیک نہیں کیونکہ عذاب کے وقت اڑی کیا؟ نیز احادیث میں صاف آیا ہے کہ کافر کہے گا ھاہ ھاہ لا ادری۔ یعنی ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں۔ یہ بے علمی کا اظہار بتا رہا ہے کہ پہلے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا) ٹھیک نہیں۔ اگر کہا جائے کہ کشوف مراد لینا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا وجود کرنا تو مفید ہوسکتا ہے کیونکہ وہ پہچان سکتے ہیں جنہوں نے نہیں دیکھا ان کے سامنے آپ کا وجود کرنا کیا فائدہ؟ نیز جن کافروں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے جیسے ابوجہل وغیرہ تو وہ پہچان کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ ان کے ہاہ۔ ہاہ لا ادری کہنے کا کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے وجود باجود کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کا رسول ہے۔ کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن

جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو منکر نکیر کہیں گے تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ بتایا گیا ہے۔ اسے دیکھ کر مومن فراست ایمانی سے اندازہ کرلے گا کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر میں ایمان لایا ہوں رہے کفار جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے وہ صرف رسول اللہ ﷺ کی شکل مبارک سے واقف ہیں آپ کی رسالت سے واقف نہیں کیونکہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر بالفرض وہ دنیا میں رسالت سے واقف بھی ہوں تو بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناواقفوں میں اُٹھتے ہیں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہوں۔

(عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ)

تعاقب

مولوی عبدالجلیل سامرودی نے اخبار محمدی دہلی اور اہلسنت والجماعت امرتسر میں محدث روپڑی کے فتوی پر تعاقب کیا جو حسب ذیل ہے۔

آپ نے اپنی تحقیق کا نتیجہ یہ ظاہر فرمایا کہ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ موصوف ایک امر مرہوم کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اگر کتب احادیث کو کھول کر ملاحظہ فرماتے تو اس ترجیح کو مرجوح قرار دیتے۔ دیکھئے صحیح البخاری۔ "باب المیت یسمع خفق النعال" میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاحظہ ہو بلفظ فیقولان لہ ماکنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم لفظ باب عذاب القبر (فی ھذا الرجل) لمحمد ﷺ۔ اسی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ابن مردویہ نے بلفظ فی ھذا الرجل الذی کان بین ایدیکم الذی یقال لہ محمد کما فی شرح الصدور ص۴۸ الدر المنثور ص ۸۱ جلد۴۔ مسند احمد میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ص۳۵۴ جلد ۶ میں

بلفظ ماتقول فی هذا الرجل قال ای رجل قال محمد نیز دیکھو شرح الصدور ص ۵۷ کتاب الروح ص ۴۷ الدر المنثور ص ۹۵ ج ۴ طبرانی کبیر کے لفظ فیقال له رجل یقال له محمّد ماهو انتهی دیکھو کنز العمال ص ۹۵ ج ۸ ابن کثیر ص ۲۹۵ ج ۵ میں بروایت ابن جریر ابوہریرہ سے اور خود ابن جریر ص ۱۴۳ ج ۱۳ مستدرک حاکم ص ۳۸۰ ج ۱۔ بلفظ ارئیت هذا الرجل الذی کان فیکم ماتقول فیه وما تشهدبه علیه فیقول امحمد فیقال له نعم الخ لفظ مستدرک فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلایهتدی فیقولون محمد الحدیث. یہ روایتیں بابنگِ دہل بتلا رہی ہیں کہ نبی ﷺ کا قبر میں مکشوف ہو کر سامنے ہونا کسی اجنبی کا مقولہ ہے۔ محدثین کا ہرگز اعتقاد نہیں۔ آپ کا بذاتِ خود مکشوف ہو کر سامنے ہونا لغو محض ہے۔ اگر کوئی نص نبوی سے بالتصیص ثابت ہو کہ نبی ﷺ بذاتِ خود مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں تو مع حوالہ کتاب ظاہر فرمائیں۔ ورنہ اس خیال شنیع سے رجوع فرمائیں۔

(ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل السامرودی محمدی ۱۵ دسمبر ۳۵ء اہلسنت والجماعت ۱۶ دسمبر ۳۵ء)

جواب: مذہب اہلحدیث وہی ہے جو حدیث سے سمجھا جائے۔ اور حدیث سے ترجیح اُسی کو ثابت ہوتی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں کیونکہ ہذا کا لفظ اس بارہ میں صاف ہے۔

مولوی عبدالجلیل کے پیش کردہ دلائل ہمارے مؤید ہیں۔ کیونکہ سب میں ہذا کا لفظ موجود ہے۔ صرف ایک میں نہیں۔ سو وہ سوال کی الگ صورت ہے۔ ہماری بحث صرف اس سوال میں ہے جو ہذا کے ساتھ ہے۔ شاید مولوی عبدالجلیل نے خیال کیا ہوگا کہ قبر میں سوال سب سے ایک طرز پر ہوتا ہے۔ اگر یہ خیال ہو تو اور ڈبل غلطی ہے۔ کیونکہ احادیث میں سوال کی چار صورتیں آئی ہیں۔ ایک هذا الرجل (معرفہ) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ دوم جل (نکرہ) کے ساتھ اس میں نام صفت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے جل یقال له محمد ماهو۔ سوم من کے ساتھ جیسے مَنْ نَّبِیُّکَ یَا مَنِ

الرَّسُوْلُ الَّذِیْ بعث الیکم چہارم۔ شہادت کے ساتھ جیسے ماشهادتک۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۹۵۔ ص ۲۹۶۔

آخر الذکر تین سوالوں سے تو ہماری بحث نہیں کیونکہ ان میں سوال ہی ایسی طرز کے ساتھ ہے۔ جس کا کشف سے کوئی تعلق نہیں۔ صرف پہلے سوال سے بحث ہے۔ اس میں کشف ہے یا نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ کشف ہوتا ہے کیونکہ لفظ ہذا اسی کو چاہتا ہے۔ اس سوال میں کئی طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض سوال میں محمد کا لفظ ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کی پیش کردہ عبارات سے پہلی اور تیسری عبارات میں ہے اور بعض میں نہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کی پیش کردہ عبارات سے دوسری اور چھٹی عبارت میں نہیں۔ چھٹی میں تو ظاہر ہے کیونکہ اگر سوال میں لفظ محمد ہوتا تو میت اَمُحَمَّدٌ یا اَیُّ رَجُلٍ کے ساتھ سوال کیوں کرتی۔ اور دوسری عبارت میں فی هذا الرجل لمحمد ہے۔ یعنی منکر نکیر هذا الرجل سے محمد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس لمحمد منکر نکیر کے سوال میں نہیں بلکہ منکر نکیر کے سوال میں هذا الرجل کا مشار الیہ بتلایا گیا ہے۔ خواہ بتلانے والے رسول اللہ ﷺ ہوں یا کوئی راوی ہو۔

تفسیر ابن کثیر میں مومن کے سوال میں لکھا ہے ماتقول فی هذا الرجل یعنی النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال من قال محمّد۔ یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے۔ یعنی نبی ﷺ مردہ کہتا ہے۔ کون؟ فرشتہ کہتا ہے۔ محمد!

فاجر یا کافر کے سوال میں لکھا ہے۔ ماتقول فی هذا الرجل قال ای رجل قال محمد یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے۔ مردہ کہتا ہے کونسا شخص۔ فرشتہ کہتا ہے محمد ملاحظہ ہو ص ۲۹۶

ان مختلف الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک مکشوف ہو کر سامنے ہوتا ہے تو بعض میتیں تو صرف چہرہ ہی کو دیکھ کر معلوم کر لیتی ہیں کہ یہ محمد ﷺ ہیں۔

اور بعض میتوں کو اس میں تردّد رہتا ہے تو وہ امحمد یا ای رجل کہہ کر سوال کرتی ہیں۔ یعنی کیا یہ محمد ﷺ ہے یا یہ کونسا آدمی ہے۔ فرشتے اس کے جواب میں نعم کہتے ہیں یا محمد کہتے ہیں۔ یعنی ہاں یہ محمد ﷺ ہیں۔

بہر صورت یہ تمام الفاظ ہمارے موید ہیں۔ کیونکہ ان میں وہی ھذا کا لفظ ہے۔ اور میت کا امحمد یا ای رجل کے ساتھ سوال کرنا یہ بھی ہمارا موید ہے۔ کیونکہ یہ پورا جملہ نہیں۔ اس کے آگے پیچھے کچھ عبارت مقدر ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہذا مقدر ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے منکر نکیر کے سوال میں ہذا ہے۔ اس بنا پر پہلے سوال کی عبارت یُوں ہوئی اھذا محمد یا محمد ھذا. یعنی کیا یہ محمد ہے یا کیا محمد ہے یہ؟ اور دوسرے سوال کی اصل عبارت یوں ہوئی۔ ای رجل ھذا. یعنی یہ رجل کونسا ہے۔ گویا ان سوالوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی میت کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کی طرف وہ اشارہ کرکے سوال کرتی ہے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ جن دلائل کو مولوی عبدالجلیل ہمارے مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں وہ دراصل ہمیں مفید ہیں۔ مگر مولوی عبدالجلیل غلط فہمی سے اُسے اہلحدیث کا مسلک نہیں سمجھتے۔ خدا ایسی غلط فہمی سے بچائے اور عبارات میں غور و تدبر کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ مدیر تنظیم)

محدث روپڑی کے جواب کا جائزہ

تعاقب

مولوی عبدالجلیل نے محدث روپڑی کے اس جواب پر حسب ذیل تعاقب کیا ہے۔

کہ اگر وفات کے بعد مکشوف کا مسئلہ صحیح ہے تو آنِ واحد میں بے حساب سے سوال ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اس حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی۔

بخاری وغیرہ میں ہے کہ ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا۔ انّی سائل ھذا عن

ھذا الرجل. آپ تو ہرقل کے پاس بھی مکشوف کیے ہوں گے۔ کیونکہ ھذا الرجل حاضر کے لیے ہوتا ہے۔

ابن مردویہ والی حدیث میں موجود ہے ماکنت تقول فی ھذا الرجل الذی کان بین اظھرکم الذی یقال له محمد. بلکہ حاکم ص ۳۸۰ جلد ا کی روایت فیقال له ما تقول فی ھذا الرجل الذی کان فیکم و ما تشھد به علیه فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلایھتدی له قال فیقولون محمد.

لفظ حدیث ہذا الرجل یہ شخص کے بعد ہی کہا جاتا ہے۔ وہ جو تم میں تھے۔ وہ جنہیں محمد ﷺ کہا جاتا تھا۔ نیز دوسری میں ہے وہ جو تم میں تھے تیری گواہی ان کی بابت کیا ہے۔ پھر اس کا سوال کہ کون شخص ملائکہ کا جواب وہ جو تم میں تھے۔ اتنا کہتے ہوئے بھی نہ سمجھا تو ملائکہ کہیں گے۔ محمد وہ محمد ہیں۔ کیا ان سوالات و جوابات میں صراحۃ ظاہر نہیں ہے کہ حضور موجود نہیں ہوتے۔ آپ کے پاس صرف ھذا لفظ کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ مسلک اہلحدیث نہیں بلکہ کسی حنفی کا مذہب ہے۔ مثلاً عینی وغیرہ کے ہاں چنانچہ فاضل قسطلانی نے لکھا ہے۔

قیل یکشف للمیت حتی یر النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم وھی بشری عظمة للمؤمن ان صح ذالک ولا نعلم حدیثا مرویا فی ذالک و القائلٌ به انما استند لمجرد ان الاشارة لاتکون الاللحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارة لما فی الذھن فیکون مجازا.

کہا گیا ہے کہ میت کے لیے پردہ اُٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھ لیتی ہے اور اگر یہ صحیح ہو جائے تو مومن کے لیے بڑی خوشخبری ہے۔ اور ہمیں کوئی صحیح حدیث اس بارے میں معلوم نہیں۔ اور جو اس کا قائل ہے۔ اس کی دلیل صرف یہی ہے کہ اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ اشارہ حاضر فی الذھن کی طرف ہو

پس یہ مجاز ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتاویٰ ص ۱۴ سوال نمبر ۸ کے جواب میں فرماتے ہیں سوال یہ ہے۔

وهل يكشف له فى الحال حتى يرى النبى صلى الله عليه وسلم و يقول له ما تقول فى هذا الرجل فاجاب بقوله بعد ان اعاد السوال فقال و هو هل يكشف له حتى ير النبى ﷺ فالجواب ان هذا لم يرو فى حديث صحيح و انما ادعاه من لا يحتج به بغير مستند الامن جهة قوله فى هذا الرجل وان الاشارة بلفظة هذا لاتكون الاللحاضر و هذا لا معنى له لانه حاضر فى الذهن.

بہرحال یہ سوال کہ میت کے لیے پردہ کھولا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھ لیتی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا۔ اس شخص نے بلادلیل اس کا دعویٰ کیا ہے جو حجت نہیں۔ دلیل صرف یہ پیش کی ہے کہ ہذا کا اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ حالانکہ حاضر کے لیے ہونے سے کشف لازم نہیں آتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ذہن میں حاضر ہیں۔

جواب تعاقب

محدث روپڑی نے مولوی عبدالجلیل کے تعاقب کا جواب دیا وہ حسب ذیل ہے۔

ہم نے تو بقول آپ کے صرف حدیث کے لفظ ہذا سے استدلال کیا ہے تو آپ نے اس کے مقابلہ میں کیا پیش کیا ہے۔ صرف ابن مردویہ یا حاکم کی روایت حالانکہ اس میں بھی یہی لفظ ہذا ہے۔ باقی الفاظ مثلاً **الذی کان بین اظهر کم الذی یقال له محمّد** "وہ جو تم میں تھے وہ جنھیں محمد کہا جاتا تھا" وغیرہ یہ تو کسی طرح ہمارے خلاف نہیں۔ چنانچہ آپ کے پہلے تعاقب کے جواب میں اُوپر تفصیل ہوچکی ہے۔ لیکن دوسرے تعاقب میں آپ کا ان کو دہرانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ضمیر غائب سے دھوکا لگا ہے آپ یہ

سمجھ رہے ہیں کہ ضمیر غائب اُسی کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے وقت مخاطب کے سامنے نہ ہو حالانکہ یہ ڈبل غلطی ہے اور یہی غلطی ایڈیٹر اہلسنت والجماعت کو لگی ہے۔ انہوں نے بھی ضمیر غائب ہی سے رسول ﷺ کا عدم حضور ثابت کیا ہے۔

اس غلطی کی تفصیل سُنیئے۔

ا۔ ضمیر کے لوٹانے میں کبھی لفظ کی رعایت ہوتی ہے کبھی معنی کی۔

قرآن مجید میں ہے۔

ومن الناس من یقول امنا باللّٰہ وبالیوم الاخر و ماھم بمومنین.

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے۔ اور در حقیقت وہ ایمان والے نہیں۔

اس آیت میں مَنْ کا لفظ مفرد ہے اور معنی اس کا جمع ہے۔ لفظ کی رعایت کریں تو اس کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹے گی۔ اگر معنی کی رعایت کریں تو جمع کی لوٹے گی۔ چنانچہ اس آیت میں یقول کی ضمیر مفرد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور **وما ھم بمومنین** جمع کی۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ **کلّ نفس ذائقة الموت** ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ عربی میں چونکہ نفس کا لفظ مونث ہے۔ اس لیے اس کی طرف ضمیر مونث لوٹی ہے۔ خواہ مراد اس سے مرد ہو یا عورت۔ ہماری زبان میں اس کی مثال "ہستی" کا لفظ ہے۔ مُراد اس سے خواہ مرد ہو۔ استعمال اس کا مؤنث ہی کی طرح ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ اچھی ہستی ہے "اچھا ہستی" نہیں کہا جاتا۔ اِس طرح قرآن مجید میں ہے۔

واذا راوک ان یتخذونک الاھزوا اھذا الذی یذکر الهتکم.

اے محمد کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برائی سے) ذکر کرتا ہے۔

اِس آیت میں رسول اللہ ﷺ سامنے ہیں مگر ضمیر غائب لوٹ رہی ہے گویا الذی

کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے بلکہ ایسے مقام میں لفظ الذی کی رعایت زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً
کوئی شخص اپنا پتہ بتلاتے ہوئے کہے **انا الذی یقال لہ زید** تو یہ **انا الذی یقال لی زید**
سے زیادہ فصیح ہے۔ حالانکہ متکلم سامنے۔ چنانچہ قواعدِ عربیہ میں اس کی تصریح ہے۔ حالانکہ
متکلم سامنے ہوتا ہے مگر الذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے۔ مولوی عبدالجلیل اور ایڈیٹر
اہلسنت دونوں بے چارے ضمیر غائب کی الجھن میں پھنس کر راجح بات سے غائب ہوگئے۔
علاوہ ازیں ان سے اور غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ نمبروار سنیئے۔

دوسری غلطی

مولوی عبدالجلیل نے بخاری وغیرہ کے حوالہ سے ہرقل کی حدیث کا یہ ٹکڑا نقل
کیا ہے۔ **انّی سائل ھذا عن ھذا الرجل** اِس عبارت میں پہلے ھذا سے ابوسفیان کی
طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے سے رسول اللہ ﷺ کی طرف یعنی ہرقل نے ابوسفیان کے
ساتھیوں سے اپنے ترجمان کی معرفت کہا کہ میں ابوسفیان سے محمد ﷺ کا حال پوچھنا چاہتا
ہوں۔ مولوی عبدالجلیل کا اس سے یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہرقل کی مجلس میں نہ
تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہٰذا کے استعمال میں سامنے ہونا شرط نہیں لیکن مولوی عبدالجلیل
نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے کہ اُخروی معاملات پر قیاس کیا ہے حالانکہ آخرت کا معاملہ عموماً
خرق عادت ہے۔ مثلاً قبر کا فراخ ہونا یا تنگ ہونا یا قبر کا میت سے باتیں کرنا۔ جنت اور
دوزخ کی طرف سے کھڑکی کا کھلنا یا سانپ بچھو کا اس پر مسلط ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام سلسلہ
خرق عادت کی قسم سے ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کا مکشوف ہونا کوئی بعید امر نہیں۔ اور
ظاہر ہے کہ جب لفظ کا حقیقی معنی بن سکے تو مجازی جائز نہیں اس بناء پر ضروری ہے کہ رسول
اللہ ﷺ کو قبر میں مکشوف مانا جائے تاکہ حقیقی معنی مراد ہوسکے برخلاف ہرقل کی حدیث کے
کیونکہ یہ دنیوی معاملہ ہے۔ اور دنیوی معاملہ میں خرق عادت کی صورت میں حقیقی معنی
متروک ہوسکتا ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں "رَأَیْتُ اَسَدًا یَرْمِیْ" میں نے شیر کو دیکھا کہ وہ

تیر اندازی کرتا ہے چونکہ شیر کا تیر اندازی کرنا خرق عادت ہے۔ اِس لیے شیر کا حقیقی معنی
چھوڑ کر اس سے بہادر آدمی مراد لیتے ہیں۔ ٹھیک اِسی طرح ہرقل کی حدیث میں ھذا کے
لفظ کو سمجھ لینا چاہئے۔ کیونکہ ہرقل کی حدیث میں بھی یہی صورت ہے رسول اللہ ﷺ نے
ہرقل کو خط لکھا۔ جس میں اس کو دعوت اسلام دی۔ اس نے خط پڑھ کر دریافت کیا کہ محمد ﷺ
کے رشتہ داروں سے یہاں کوئی موجود ہے۔ پتہ چلا کہ ابوسفیان اور اُن کے ساتھی موجود
ہیں۔ اس نے ان کو بلا کر ابوسفیان کو سامنے بٹھایا۔ اور ساتھیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھا کر
مذکورہ بالا گفتگو شروع کر کے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے حالات دریافت کیے۔ اِس
سارے واقعہ سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سامنے نہ تھے۔ اور مکشوف ماننا خرق عادت
ہے۔ اِس لیے مجازی معنی مراد ہوگا۔

غرض آخرت کے معاملہ میں خرق عادت ایسا ہی ہے۔ جیسے دنیوی معاملہ میں
موافق عادت اور موافقِ عادت ہونے کی صورت میں حقیقی معنی مجازی پر مقدم ہے۔ جب
حقیقی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ پس قبر میں سوال کی حدیث میں مکشوف ماننا چاہئے۔
تاکہ ھذا کا حقیقی معنی مجازی پر مقدم ہے۔ جب حقیقی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ پس قبر
میں سوال کی حدیث میں مکشوف ماننا چاہئے۔ تاکہ ھذا کا حقیقی معنی قائم رہے۔ ہاں اگر
مجازی معنی پر دلیل ہوتی جو حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہوتی تو اس صورت میں حقیقی معنی
متروک ہوسکتا۔ جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ. میں اُوپر گزر چکا ہے۔
اب کوئی وجہ نہیں۔

تیسری غلطی

مولوی عبدالجلیل نے لکھا ہے کہ ہرقل نے ترجمان سے کہا **انّی سائل ھذا عن
ھذا** حالانکہ ہرقل نے اپنے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان کے ساتھیوں سے یہ کہا۔

چوتھی غلطی

مولوی عبدالجلیل لکھتے ہیں۔ حافظ صاحب روپڑی نے وہی ھذا کی ٹانگ اڑا رکھی ہے۔ بات یہ ہے کہ حلق سے بات کیسے اُترے۔ آپ لوگ اصولِ مخترعہ کے پابند رہ کر کلام نبی کا اس پر موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُصولِ مخترعہ سے مولوی عبدالجلیل کی مراد حقیقت مجاز کا مسئلہ ہے حالانکہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نقل کردہ عبارت میں تصریح کی ہے کہ حاضر فی الذین کی طرف اشارہ مجاز ہے اور کتب مبتدا عربیت میں ہذا کو اشارہ حسیہ کی قسم سے شمار کرنا اور ھذا کو قریب کے لیے اور ذاک کو بعید کے لیے یا ذالک کو متوسط کے لیے اور ذالک کو بعید کے لیے کہنا اور جب ھذا کا استعمال معقول (حاضر فی الذین) میں ہو تو اس وقت یہ کہنا کہ اس کو بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر اس میں ھذا استعمال کیا گیا ہے یہ سب کچھ اسی خبر کی بنا پر ہے کہ حاضر فی الذھن ھذا کا حقیقی معنی نہیں۔ اور حاشیہ خضری شرح ابن عقیل کے ص ۵۹ میں ہے۔

اِسْمُ الْاِشَارَةِ مَاوُضِعَ لِمُشَارٍ اِلَيْهِ اَیْ حِسًّا بِالْاِصْبِعِ وَنَحْوِهٖ فَلَابُدَّمِنْ كَوْنِهٖ حَاضِرًا مَحْسُوْسًا بِالْبَصَرِ فَاسْتِعْمَالُهٗ فِی الْمَعْقُوْلِ وَالْمَحْسُوْسِ بِغَیْرِهٖ مَجَازٌ۔

یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے موضوع ہو۔ جس کی طرف انگشت وغیرہ سے حسی اشارہ ہو۔ پس ضروری ہے کہ وہ حاضر ہو۔ اور بصر کے ساتھ وہ محسوس ہو۔ پس معقول میں یا محسوس میں اس کا استعمال جس کی طرف انگشت وغیرہ سے اشارہ نہ ہوسکے مجاز ہے۔

تاج العروس شرح قاموس جلد ۱۰ ص ۴۳۳ میں امام ابوالہیثم سے نقل کیا ہے۔

ذَا اِسْمٌ لِکُلِّ مشار الیه مُعَایَنٍ یَرَاهُ الْمُتَکَلِّمُ وَالْمُخَاطَبُ۔

یعنی ذا ہر مشار الیہ کا اسم ہے۔ جس کا مشاہدہ ہو اور متکلم مخاطب اس کو دیکھتے ہوں۔
غرض اس قسم کی تصریحات اَئمہ عربیت وغیرہ کی بہت ہیں جن کا اصل یہی ہے کہ

حاضر فی الذین ھذا کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ پس حقیقت مجاز کے مسئلہ کو اُصولِ مخترعہ کہہ کر ھذا کے حقیقی مجازی معنی میں فرق نہ کرنا یہ ڈبل غلطی ہے۔ اگر الفاظ کے معانی میں حقیقت مجاز کا فرق نہ کیا جائے تو سب معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً آیت کریم نعبد الٰهک والٰه اٰبائک ابراهیم واسماعیل و اسحٰق میں چچا کو بھی باپ کہا ہے۔ اس بنا پر کوئی کہے کہ آیت وراثت وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ میں چچا بھی مُراد ہے۔ اگر باپ وغیرہ نہ ہو تو چچا اس کے قائم مقام ہوگا تو کیا یہ صحیح ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ چچا حقیقی باپ نہیں بلکہ اس کو مجازاً باپ کہا ہے۔ اس قسم کی بے شمار امثلہ ہیں جو امثلہ حقیقت مجاز سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کو اُصولِ مخترعہ کہنا غلطی ہے۔

پانچویں غلطی

قسطلانی کی عبارت کو اس محل میں پیش کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ قسطلانی کے حاضر فی الذین کا احتمال ذکر کر کے اس کو مجاز کہہ دیا ہے۔ گویا اس سے اس احتمال کے صنعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کا احتمال کمزور احتمال ہے۔ جس کا ارتکاب بلا دلیل درست نہیں۔ پس یہ عبارت درحقیقت ہماری مؤید ہے مگر مولوی عبدالجلیل غلطی سے اپنی مؤید سمجھ رہے ہیں۔ اور اِس سے معلوم ہوا کہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال اس مسئلہ میں راجح ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق عموماً بڑی ہوتی ہے مگر بحکم لکلِ جواد کبوۃ اس مسئلہ میں عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے کو ترجیح ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ آپ حاضر فی الذھن ہیں اس کی بابت عرض ہے کہ کیا یہ معنی حقیقی ہے یا مجازی۔ اُوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجازی ہے۔ پس عینی کا خیال درست ہوا۔ پس ان پر کوئی چوٹ نہیں اس کے علاوہ آپ کا حاضر فی الذھن ہونا ان لوگوں کی نسبت تو درست ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے کیونکہ اُن کے ذہن میں آپ کی خاص شکل وصورت حاضر ہوسکتی ہے لیکن جنہوں نے آپ کو دیکھا نہیں۔ ان کے ذہن میں

تو آپ کے صفات ہیں جو کلیات ہیں جن میں تعیین اور تشخص نہیں تو پھر آپ بعینہٖ حاضر کس طرح ہوئے۔ اور جب آپ بعینہٖ حاضر نہ ہوئے اور صرف آپ کی صفات ہوئیں جو کلیات ہیں تو اُن کے نزدیک بھی حاضر فی الذھن ھذا کا حقیقی معنی نہ ہوا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عینی کا خیال درست ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حاضر فی الذھن ہذا کا معنی حقیقی ہے تو حاضر فی الخارج بطریق اولیٰ ہذا کا حقیقی معنی ہوگا۔ پس اس صورت میں عینی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ برابر ہوں گے کیونکہ لفظ جب دو معنوں کے درمیان مشترک ہو تو بغیر دلیل کے کسی کو نہیں لے سکتے۔ نہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ثابت ہوا نہ عینی کا۔ ہاں عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ایک اور طرح سے ترجیح ہو سکتی ہے وہ یہ کہ حاضر فی الذھن کو ھذا کا حقیقی معنی ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ھذا دو معنوں میں مشترک ہو۔ اور اگر حاضر فی الذھن کو مجازی معنی قرار دیں تو اس صورت میں ھذا حقیقت مجاز ہوگا۔ اور عربیت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک لفظ اشتراک اور حقیقت مجاز کے درمیان دائر ہو تو اس کو حقیقت مجاز بنانا چاہئے کیونکہ اشتراک سے حقیقت مجاز کی کثرت ہے پس کثرت پر حمل ہوگا۔ اس بنا پر عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترجیح ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کا مکشوف ہونا ہی غالب رہا۔

چھٹی غلطی

مولوی عبدالجلیل نے ایک یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ آنِ واحد میں بے حساب اموات سے سوال ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اسی حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی مگر یہ اشکال مولوی عبدالجلیل کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہماری عبارت یہ ہے۔

’’رسول اللہ ﷺ اور میت کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ اور میت کو آپ کا وجود باوجود قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہذا کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔‘‘

اس عبارت میں قریب نظر آنے لگتا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے ذوالقرنین کے قصہ

میں قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عينٍ حَمِئَةٍ. یعنی ذوالقرنین نے سورج کو سمندر میں غروب ہوتے پایا۔ اس پر مفسرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعہ میں سورج سمندر میں غروب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح دکھائی دیا۔ ٹھیک اس طرح ہماری عبارت ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فی الواقعہ ہر ایک کی قبر میں حاضر ہوتے ہیں۔ سچ ہے۔

وکم من عائب قولا صحیحا   وآفتہ من الفہم السقیم

مثل مشہور ہے ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہئے۔ مولوی عبدالجلیل اعتراض تو ہم پر کرتے ہیں۔ کہ ’’ایڈیٹر تنظیم‘‘ کی عادت قدیمہ ایسی ویسی ہے مگر حقیقت امر یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے قلم برداشتہ اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ مسائل کا معاملہ بڑی ذمہ داری کا ہے۔ قلم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔ خدا ہدایت دے اور سمجھ دے۔

ساتویں غلطی

مولوی عبدالجلیل نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی رائے لکھ کر کہا ہے کہ جو مولانا روپڑی نے طریقہ اختیار کیا ہے وہ اہلحدیثوں کا ہرگز نہیں۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ کتنی بڑی ڈبل غلطی ہے۔ اہلحدیث کا طریق تو قرآن و حدیث اور اتباع السلف ہے۔ مولوی عبدالجلیل نے کونسی آیت و حدیث پیش کی ہے جو ہمارے خلاف ہے یا کونسے اقوال سند پیش کیے ہیں جن سے ہم علیحدہ ہوگئے۔ مولوی عبدالجلیل کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں۔ محض بریلویوں کی ریس ہے کہ یہ وہابی ہیں۔ ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ حقیقت اس کی کچھ نہیں۔ مولوی عبدالجلیل صاحب آپ کی شان کے یہ لائق نہیں آئندہ احتیاط رکھیں۔ خدا آپ کی حفاظت کرے۔ آمین۔

تنبیہ۔ مولوی محمد صاحب ایڈیٹر محمدی نے بھی اس محل میں چند باتیں لکھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی خدمت میں کچھ عرض کردیں۔ مولوی محمد صاحب لکھتے ہیں۔

محترم مولانا حافظ صاحب! ذرا ایک بات تو بتلائیں۔

۱۔ چودہ سوسال کے بعد آنے والے کے سامنے چودہ سو برس پہلے کا کوئی شخص جسے کبھی اس نے دیکھا نہ ہو کھڑا کر دیا جائے۔ اور اس سے پوچھا جائے کہ یہ کون؟ تو کیا عقل کہتی ہے کہ وہ صحیح جواب دے سکے گا۔

۲۔ یہ مان لینے سے کہ حضور ﷺ قبر میں لائے جاتے ہیں۔ آپ کی تشبیہ پیش کی جاتی ہے۔ سوال و جواب میں وہ لطافت ہی باقی نہیں رہتی۔ جو شریعت نے رکھی ہے۔ ذوق سلیم اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ جس کی تعلیم آپ دے رہے ہیں۔

۳۔ جناب من صرف لفظ ہذا کو جو اس موقعہ پر مثل تشابہ کے ہے۔ لے کر صراحت کو جو مَنْ نبیّک وغیرہ میں مثل محکمات وغیرہ کے ہے۔ چھوڑ دینا تو شاید آپ اتباع سلف میں داخل نہ کرسکیں۔

۴۔ کیا جناب نے یہ بھی خیال کیا کہ بدعتی طبقہ کے ہاتھ میں جو پہلے ہی حضور ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ آپ کیسا کچھ ہتھیار دے رہے ہیں۔

۵۔ کیا اس قسم کے الفاظ ایسے مسائل کے استخراج کے لیے کافی ہیں؟ کیا قبرستان کے سلام کا خطاب مردوں کے حساس اور سُننے والے مثل زندوں کے ہونے کے لیے بس ہے؟

۶۔ کیا ربی و ربک اللّٰہ کا خطاب چاند سے کرنا اس لیے بھی کوئی کمال قدرت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے؟ اگر نہیں۔

۷۔ تو کیا جناب کے پاس قرآن و حدیث سے مذہب سلف سے کوئی ایسی دلیل ہے۔ جس سے حضور ﷺ کا ہر گورے۔ کالے۔ مسلم۔ کافر۔ عربی۔ عجمی کی قبر میں پھیرے کرنا اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہو؟

۸۔ لفظ ھذا اگر موجود شے کی طرف اشارہ کے لیے ہی ہے تو پھر اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ جو اتنا لمبا سوال ہو جائے۔

۹۔ لفظ ھذا پر اتنا اصرار کرنا صرف اس کے لفظی معنی کی وجہ سے ہے کہ عقائد اسلام اور اجماع صحابہ رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین اور ضروریات دین کے فوت ہونے پر بھی اس لفظ کو اس معنی سے نہ ہٹایا جائے تو پھر اس سوال کے جواب کے لفظ ھو پر بھی ایسا ہی اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ وہ تو غائب کی ضمیر ہے۔ پس مان لیجیے کہ حضور ﷺ غائب ہو جاتے ہیں۔ موجود نہیں ہوتے۔

۱۰۔ آخری ایک اور چیز سُن لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ھذا معنی میں ذالک کے ہے یعنی اسم اشارہ قریب کے لیے نہیں بلکہ بعید کے لیے ہے۔ اور اسم اشارہ قریب کا بعید کے لیے اور بعید کا قریب کے لیے لغت عرب میں برابر مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے **ذالک الکتاب لاریب فیه.** اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما سے مروی ہے کہ **ذالک معنی میں ھذا** کے ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر پارہ اوّل ص ۴۴۔ پس جیسے ذالک معنی میں ھذا کے آتا ہے۔ ویسے ہی ھذا معنی میں ذالک کے بھی مستعمل ہے۔ پس یہاں دوسری حدیثوں کی تشریح کے مطابق لفظ ھذا معنی میں ذالک کے ہے چنانچہ تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر کے اسی صفحہ میں ہے۔ یہ دونوں لفظ قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللّٰہ تعالیٰ نے ابوعبیدہ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ عربی کی تفسیر کے لفظ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ **فیستعملون کلامنھما مکان الاخر و ھذا معروف فی کلامھم و قد حکاہ البخاری من معمر المثنیٰ عن ابی عبیدۃ. جلد اوّل مصری ص ۶۷** مولانا کا سارا مدار اس لفظ پر تھا اور یہ لفظ دور کے اشارہ کے لیے بھی آتا ہے۔ اب وہ نیو ہی نہ رہی جس پر کشف کی یا شبیہ کی یا حاضری کی عمارت کھڑی کی جائے۔

۱۱۔ قرآن میں ہے ذالکم اللّٰہ ربکم تو کیا اس میں بھی اللّٰہ میاں کا وجود سامنے

موجود تھا۔ جس کی طرف اشارہ ہو۔

۱۲۔ حاشیہ تہذیب میں صراحت ہے کہ لفظ ھذا سے اشارہ کبھی غیر موجود غیر محسوس غیر مشاہد کی طرف بھی ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ ان درجن بھر دلیلوں کے ہوتے ہوئے مکرمی حافظ صاحب مزید غور فرمائیں گے۔

والسلام
محمد اخبار محمدی یکم مارچ ۳۶ھ

جواب

۱۔ چودہ سو برس کے بعد آنے والے کا پہچاننا اس کا حل ہم تے پہلے ہی کر دیا تھا۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ وہ بھی آپ کے وجود باوجود کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں ومنکر نکیر کہیں گے تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ان پر ایمان لایا۔ (تنظیم ۲۲ نومبر ۳۵ء)

ہاں بعض میتوں کو اس میں تردد رہتا ہے تو وہ اَمُحَمَّدٌ یَا اَیُّ رَجُلٍ کہہ کر سوال کرتی ہیں چنانچہ ابھی اُوپر ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں اس کی تفصیل ہوئی ہے۔

۲۔ حضور ﷺ قبر میں نہیں لائے جاتے بلکہ درمیان سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ جس سے آپ میت کے سامنے ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اس سے پہلے تفصیل ہوچکی ہے کہ سوال کی چار صورتیں ہیں۔ ایک ھذا الرجل (معرفه) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ دوم رجل نکرہ کے ساتھ اس میں نام یا صفت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے رجلٌ یقالُ لَهٗ مُحَمَّدٌ ، مَاهُوَ سوم مَنْ کے ساتھ جیسے من نبیک یا من الرسول الذی

بعث الیکم چھارم شہادت کے ساتھ جیسے مَاشَهَادَتُکَ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۹۵ ص ۲۹۶ یہ چاروں صورتیں الگ الگ ہیں۔ اگر ان سے من نبیک وغیرہ محکمات سے ہو تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ ھذا کی صورت میں کشف نہیں پھر ھذا کو متشابہ کہنا یہ بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ متشابہ وہ ہے جس کے معنی میں اشتباہ ہو۔ اور اس کی تعیین نہ ہو۔ اور ھذا کا معنی معلوم ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں چنانچہ اُوپر تفصیل ہوچکی ہے۔

۴۔ اس کا جواب نمبر۲ میں آ گیا کہ آپ قبر میں نہیں لائے جاتے۔ پس ہم نے بدعتیوں کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں دیا۔ آپ کو مولوی عبدالجلیل کی طرح غلطی لگی ہے۔ ورنہ ہماری کلام کا مطلب واضح ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط نمبر۶ میں تفصیل ہوچکی ہے۔

۵۔۶ ہمارا مردوں کو یا چاند کو خطاب کرنا دنیوی معاملہ ہے۔ اور فرشتوں کا ھذا کے ساتھ میت سے سوال کرنا اُخروی معاملہ ہے۔ اس لیے اس کا قیاس مُردوں کے یا چاند کے خطاب پر صحیح نہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط نمبر۲ میں اس کی تفصیل ہوچکی ہے۔

۷۔ قبر میں رسول اللہ ﷺ کے پھیرنے کے ہم قائل ہی نہیں چنانچہ ابھی نمبر۲ میں گزرا ہے۔

۸۔ بعض میتوں کو آپ کے چہرہ مبارک پر نظر پڑنے سے کچھ تردد رہتا ہے تو اُن کے لیے اوصاف کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۔۱۰ ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ھذا کا لفظی معنی لینے میں کونسے عقائد اسلام اور اجماع صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین اور ضروریات دین فوت ہوتے ہیں۔ اور ضمیر غائب سے غائب سمجھنا یہ مولوی عبدالجلیل کی طرح آپ کی ڈبل غلطی ہے چنانچہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اشارہ بعید کے ہونے سے غائب سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔

دیکھیے آفتاب کتنی دُور ہے مگر دن میں سامنے ہے غائب نہیں پھر ھذا کو ذالک کے معنی میں لینا مجاز ہے۔ اس کے لیے آپ نے اس جگہ کوئی قرینہ بیان نہیں کیا۔ اگرچہ ہمارا یہ خیال نہیں کہ رسول اللہ ﷺ واقعہ میں قریب ہوتے ہیں۔ ہاں یہ خیال ہے کہ میت کو قریب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہذا کو ذالک کے معنی میں لینے پر کوئی قرینہ ہوتو ہم بعید کے قائل ہو جائیں گے۔ مگر اس سے غیب کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا۔

۱۱۔ ذالکم اللہ ربکم کا جواب وہی ہے جو امن ھذا الذی ھو جندلکم کا ہے جس کا بیان اُوپر ہو چکا ہے۔

۱۲۔ تہذیب کے حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ مجازی معنی ہے۔ جس کے لیے قرینے کی ضرورت ہے حدیث میت میں کوئی قرینہ نہیں پھر بلا قرینہ کیونکر مراد ہوسکتا ہے۔ پس درجن بھر دلیلیں نام ہی کی ہیں کام کی نہیں۔

والسلام

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ۔ ۵ جون ۱۹۳۶ء

مروجہ فاتحہ کے متعلق حضرت مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

فریقین کے متفقہ بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے مشہور زمانہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' میں فاتحہ اور ایصال ثواب کے حوالے سے فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں۔

اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب بارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس میں بھی تحقیق و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا بمصلحت نماز میں سورۃ خاص معین کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے اور تامل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر

چند دلِ سے کافی ہے مگر موافقت قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشارالیہ اگر روبرو موجود ہوتو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو ولانے لگے کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا کہ جمع بین العباد میں ہے۔

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دوکار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں، کسی نے خیال کیا کہ دُعا کے لیے رفع یدین سنت ہے ہاتھ بھی اُٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کو دیا جائے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہوگئی۔ ثانیاً ان کا غلو اہل فہم کے فعل میں موثر نہیں ہوسکتا لنا اعمالنا ولکن اعمالکم رہا شبہ تشبیہہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عادت اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہو کہ جو شخص وہ فعل کرے اسی قوم سے سمجھا جائے یا اس پر حیرت ہو اور جب دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے ورنہ اکثر امور متعلق عادات و ریاضات جو غیر قوم سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے کہ کسی عام درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے قصہ تطہیر اہل قبا کا اس میں کافی حجت ہے البتہ جو ہیئت عام نہیں ہوئی وہ موجب تشبہ ہے اور ممنوع پس یہ ہیئت مروجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔

تعیین یوم

قل، چہلم، برسی، عرس وغیرہ

کسی بھی عمل کی حیثیت، شریعت مطہرہ کے ذریعے ہی معلوم ہوسکتی ہے اور سنت نبوی ﷺ ہی معیارِ حق ہے۔ آج کل بعض ریڈی میڈ "علما" نے تعیین یوم پر نہ جانے کیا کیا فتوے صادر فرما دیے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ سنت رسول ﷺ اور نبوی تعلیمات میں کہیں تعیین یوم کی کوئی اصل موجود بھی ہے یا نہیں۔

مشکوۃ شریف کتاب الصوم التنطوع فصل اوّل میں ہے کہ حضور ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا آپ ہر سوموار کو روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتداء ہوئی۔ سبحان اللہ! سچ بتاؤ۔ ہر سوموار کو روزہ رکھنا دن کا تعین ہے یا نہیں ہے۔ یقیناً یہی تو تعیین یوم ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ یوم ولادت مصطفیٰ ﷺ منانا اور یوم وحی قرآن منانا سنت ہے۔ اسے بدعت کہنے والے سخت غلطی پر ہیں۔

نیز ولادت رسول ﷺ کی خوشی میں روزہ رکھنا (عبادت کرنا) بھی سنت سے ثابت ہوا۔ الحمد للہ

تعیین یوم کے سلسلہ میں یہ فرمان نبوی ﷺ بھی پیش نظر رہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ "رمضان کے روزے اور ہر ماہ تین روزے سینہ کی خرابی کو دور کرتے ہیں"، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس سے ہو سکے ہر ماہ 3 روزے رکھے کہ ہر روزہ دس گناہ مٹاتا ہے اور گناہ سے ایسے پاک کر دیتا ہے جیسے پانی کپڑے کو

پاک کر دیتا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب مہینے میں تین روزے رکھنے ہوں تو ہر ماہ کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کو رکھے سبحان اللہ

مشکوۃ میں ہے حضرت محمد بن نعمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "جس کسی نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے ایک کی زیارت جمعہ کے روز کی تو اس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ نیک لوگوں میں شمار کیا جائے گا۔" سبحان اللہ.......... جمعہ کے دن کا تعیین فرما کر رحمت کونین ﷺ نے نام نہاد اشکالات ختم فرما دیئے اور والدین کی زیارت کا حکم فرما کر والدین کے منصب و مقام کا تعین بھی فرما دیا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ بزرگوں کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا بھی منشائے دین ہے۔

شامی جلد اوّل باب زیارت القبور دیکھیے ابن ابی شیبہ راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ہر سال شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام ارشاد فرماتے اور بعد ازاں چاروں خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

شیخ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فتاوی الاوزجندی میں فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کو تیسرا دن تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس خشک کھجور اور دودھ لائے جس میں جو کی روٹی بھی تھی اس کو حضور ﷺ کے نزدیک رکھا حضور اکرم ﷺ نے اس پر سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے اور چہرہ والضحی پر پھیرے اور پھر حکم دیا کہ اسے لوگوں میں تقسیم کرو۔

یہی قل خوانی ہے اور اسے ہی تیجہ کہتے ہیں محقق علی الطلاق حضرت شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "مدارج النبوت" میں رقم طراز ہیں کہ تیسرے دن اہل میت کے گھر جانا دعائے خیر کرنا اور کھانا بھیجنا سنت ہے اس سبب سے کہ حضور رحمت عالم ﷺ تیجہ کے دن آل جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کی دلداری کی اور دعائے خیر خاص فرمائی اور کھانا بھی بھیجا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پہلی رات (قبر میں) میت پر سخت ہے۔ لہٰذا اس کے لیے خیرات کرو اور چاہیے کہ سات دن تک میت کے لیے برابر صدقہ دیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ 40 روز تک میت کا میلان اپنے گھر کی طرف رہتا ہے (بحوالہ کشف الحجاب صفحہ 20)

دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیرو پیشوا اور استاد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں رقم طراز ہیں کہ ہر سال اپنے پیرو مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ اسی فیصلہ ہفت مسئلہ کے ص 18 پر لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ زیارت قبور اکیلے اور جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہیں اور ایصال ثواب بذریعہ تلاوت قرآن اور تقسیم طعام بھی جائز اور مصلحت سے خاص تاریخ کو مقرر کرنا بھی جائز۔

مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی اپنی حکایات اولیاء کے ص 42 پر لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارات پر سال بھر میں ایک مرتبہ تشریف لے جاتے آپ کے متعلقین بھی آپ کے ساتھ جاتے اور وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے۔ فاتحہ کے بعد قرآن پاک یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرما دیتے۔

اب بتایا جائے کہ ہمارے ہاں قل خوانی' دسواں' چالیسواں' برسی' عرس مبارک یا حضور سیدنا غوث الثقلین' غوث اعظم' میراں محی الدین' الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی محفل گیارہویں شریف میں اس کے علاوہ کون سا نیا الگ عمل دہرایا جاتا ہے؟ یقیناً کوئی نئی بات نہیں ہوتی تو پھر معترضین کو خواہ مخواہ جھگڑا فساد کر کے قوم میں انتشار پیدا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ فسادی اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ مقام غور ہے کہ قرآن حکیم ایک مرتبہ نازل

ہوا تو ارشاد ہوا۔ **شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن.**

دوسری جگہ فرمایا۔ **انا انزلناه فی لیلة القدر.**

شاب منکرین تعین یوم ہر سال جشن نزول قرآن بڑے اہتمام سے مناتے ہیں ان کے مدارس میں سالانہ ختم بخاری شریف مختلف سالانہ جلسے اور تقریبات باقاعدہ پروگرام طے کرنے کے بعد مقررہ تاریخوں میں منعقد ہوتی ہیں لیکن صرف ایصال ثواب کیلیے مقرر کردہ تواریخ سے انھیں چڑ ہے اور اللہ واسطے کا بیر ہے اللہ رب العزت ان کے حسد اور کینہ کو ختم فرما کر شعور کی نعمت اور عقل کا نور عطا فرمائے۔ آمین۔

الحمد للہ۔ ایسے روشن براہین و دلائل کی موجودگی میں محفل قل خوانی دسواں چالیسواں' عرس' برسی' گیارہویں شریف وغیرہ کا انکار کرنا ضد اور ہٹ دھرمی کے بغیر کچھ نہیں کیونکہ ان سب کی اصل ایک ہے۔

ایصال ثواب

سورہ نوح میں ارشاد الٰہی ہے کہ **رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنات.** اے میرے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو شخص ایمان لا کر میرے گھر میں (پناہ لینے) آیا اس کو اور تمام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جمیع مومنین و مومنات کے لیے دعا فرمائی خواہ زندہ ہوں یا مردہ' خطیب نے ضحاک کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس دعا میں حضور تاجدار عرب وعجم ﷺ کی امت کے تمام مومنین و مومنات بھی شامل ہیں کیونکہ نوح علیہ السلام نے قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی ہے۔ شاید کسی کو گمان گزرے کہ نوح علیہ السلام کی شریعت تو منسوخ ہو چکی لہٰذا اب ان کا قانون یا دلیل بے سود ہے۔ تو آئیے سیرت رسول ﷺ کے حسین اوراق کی زیارت کریں۔ دربار رسالت

سچا ہوا ہے۔ آنے والا آیا اور عرض کی اے رسول کونین ﷺ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور میرا خیال ہے کہ اگر ان کو بولنے کی مہلت ملتی تو وہ صدقہ (وصیت) کرتیں۔

اگر اب میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو ثواب ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں (اس حدیث کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا اور بخاری نے اپنے چھٹے پارے کے ''باب موت الفجاءہ البغتۃ'' میں نقل کیا) شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری نے اپنی شرح فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری کے ص 7 پر لکھا ہے کہ یہ پوچھنے والے صحابی حضرت سعد بن عبادہ ؓ تھے اور ان کی والدہ کا نام ''عمرۃ'' تھا۔ ابو داؤد اور نسائی نے مزید لکھا کہ اس کے بعد پھر حضرت سعد ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ (اس کے لیے کون سا صدقہ بہتر ہے)

ارشاد فرمایا...... پانی کا صدقہ کرنا (کیونکہ اس وقت پانی کی کمی تھی اور لوگوں کو پانی کی سخت ضرورت تھی)

اب حضرت سعد ؓ نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔ معلوم ہوا کہ جس دور میں مسلمانوں کو جس چیز کی زیادہ ضرورت ہو اس کا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اور جس کے لیے صدقہ کیا جائے اس کے نام سے منسوب کرنا بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے۔

عہد حاضر میں ایصال ثواب کی بہتر صورت

معلوم ہوا کہ جس دور میں جس شے کی عوام کو ضرورت ہو اس کا صدقہ کرنا' خیرات کرنا' ایصال ثواب کرنا زیادہ بہتر ہے جیسے پانی نہ تھا حضور ﷺ نے صحابی کو ضرورت کے مطابق پانی صدقہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اسی طرح قحط سالی کے سبب حضرت غوث پاک ؓ نے لنگر خانے کھولے اور مساکین و غربا اور مستحقین کے لیے کھانے کا انتظام فرمایا۔ مختلف ادوار میں لوگ ایصال ثواب کے لیے سڑکیں' پلیں' سرائے' ہسپتال' شفا خانے

وغیرہ بناتے رہے یونہی موجودہ دور میں جہالت اور بدعقیدگی کے خلاف جہاد کی اشد ضرورت ہے ایصال ثواب کے لیے مدارس قائم کیے جائیں تاکہ علم کا نور عام ہو اور مرنے والوں کو اس کا ثواب پہنچے۔

یونہی آج کے دور میں جب کہ غلیظ اور بے ہودہ لٹریچر کی بھرمار ہے اصلاح احوال کے لیے مثبت کتب کی عوام کو فراہمی ایصال ثواب کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول

جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساری زندگی یہ معمول رہا کہ وہ مسلمانوں کی قبروں کے قریب سے گزرتے ہوئے رکتے' انھیں سلام کہتے اور پھر آگے روانہ ہوتے۔ اس سلسلہ میں امام غزالی علیہ الرحمتہ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ **عن نافع ان ابن عمر کان لایمر بقبر احد الاوقوف علیہ وسلم** یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور سلام کہتے تھے۔

قبرستان جا کر سورۃ یٰسین پڑھنے کا حکم

حضرت محمد ﷺ نے سورۂ یٰسین کے متعلق بیان فرمایا کہ جس دن اس سورۂ کو قبرستان جا کر پڑھا جائے تو اس دن سارے قبرستان والوں کے عذاب میں اللہ تعالیٰ کمی کر دیتا ہے ارشاد نبوی ہے۔ عن انس ؓ **قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر فقرا سورۃ یسین خفف یومئذ** حضرت انس ؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان جائے اور وہاں سورۃ یٰسین کی تلاوت کرے تو (اس کی برکت سے) سارا دن قبرستان والوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

احمد' ابو داؤد' اور ترمذی نے حضرت جابر ؓ کی مشہور حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس

ﷺ نے دو خوبصورت بڑے سینگھوں والے (موٹے تازے) مینڈھوں کی قربانی کی اور اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر ھذا عنی و عمن لم یضح من امتی...... یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے اس کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔ مسلم شریف میں مرقوم ہے کہ پھر یوں دعا فرمائی۔

اللھم تقبلھا من محمد و آل محمد و من امۃ محمد.

(ترجمہ) اے اللہ قبول فرما۔ محمد ﷺ کی طرف سے اور آل محمد ﷺ کی طرف سے اور امت محمد ﷺ کی طرف سے اب اگر ثواب نہ پہنچتا تو حضور اقدس ﷺ اپنی آل اطہار اور پوری امت کی طرف سے قربانی کیوں کرتے؟ یہاں اعتراض قائم ہو سکتا ہے کہ یہ خاصا نبوی ﷺ کا تھا کہ حضور ﷺ نے دوسروں کے لیے قربانی فرمائی۔ کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں۔ آیئے امیر المومنین سیدنا حیدر کرار مولا علی شیر خدا ؓ کو دیکھئے۔ انھوں نے دو قربانیاں کیں۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں حضور ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کروں۔ اس لیے میں حضور ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ دوسروں کے لیے صدقہ کرنا خاصا نبوی نہیں بلکہ اس کی اجازت عام ہے ایصال ثواب کے متعلق حضرت انس ؓ کے ذہن میں اشکال ہوا بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے وفات شدگان کے لیے صدقہ کرتے ہیں دعا کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ان کو اس کا ثواب پہنچتا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک اس کا ثواب ان کو پہنچتا ہے اور وہ اس طرح خوش ہو جاتے ہیں جس طرح تم ایک دوسرے کو ہدیہ دو تو تم خوش ہوتے ہو۔ (سبحان اللہ) بحوالہ فتح القدیر ص 309 جلد ثانی مطبوعہ مصر، عینی جلد 4 صفحہ 246 فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری پارہ ششم صفحہ 8)

ثابت ہوا کہ عبادت مالی ہو یا بدنی اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا جا سکتا ہے اور وہ اس ثواب سے خوش ہوتے ہیں اور انھیں نفع ہوتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ مردہ قبر میں اس ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے جو اپنی جان بچانے کے لیے (ہر طرف سے) مدد کا طالب ہوتا ہے۔ اسی طرح مردہ عذاب سے بچنے کے لیے اپنے ماں، باپ، بھائی یا دوست وغیرہ کی دعاؤں کا انتظار کرتا ہے۔

علامہ عینی شرح ھدایہ کے باب الحج میں فرماتے ہیں کہ بے شک مسلمان ہر زمانہ میں جمع ہو کر قرآن کریم پڑھتے رہے ہیں اور اس کا ثواب مردوں کو پہنچاتے رہے ہیں، اسی بات پر (صلاح و دیانت والے) مذہب مالکی اور شافعی وغیرہ متفق ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کرتا اور اس پر اجماع امت ہو چکا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کشف الحجاب فی مسئلہ ایصال ثواب میں علامہ سید امیر اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا (چھٹہ وی) رقم طراز ہیں کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی قرابت دار وفات پا جاتا تو وہ اس کے انتقال کے بعد اس کی قبر پر جاتے تھے اور قرآن مجید پڑھتے تھے۔

کان الانصار اذامات لھم المیت اختلفو الی قبرہ و یقرون القرآن.

حضرت ابو ہریرہ ؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان جائے اور پھر سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص اور سورۃ التکاثر پڑھے پھر کہے کہ اے خداوند! جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب قبروں والے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پہنچا۔ تو وہ لوگ (مردے) خدا کے یہاں اس (پڑھنے والے) کے سفارشی ہوں گے۔

جب تورات کی تلاوت سے عذاب اٹھ گیا

صاحب روح البیان نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ آپ ایک قبرستان سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک قبر پر عذاب ہو رہا ہے (اللہ تعالیٰ

نے انبیاء اور مرسلین کو یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو ملاحظہ فرمالیتے ہیں) جن کا عام شخص تصور بھی نہیں کرسکتا۔ آپ کو خیال گزرا کہ واپسی پر اس کے لیے دعا کریں گے۔ آپ واپس آئے تو دیکھا کہ اس پر سے تو نہ صرف یہ کہ عذاب اٹھالیا گیا ہے بلکہ رحمت کی برسات ہو رہی ہے آپ نے تعجب کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ معاملہ کیا ہے؟ اس کی قبر جہنم کے گڑھے سے جنت کا باغ کیسے بن گئی؟ جواب ملا کہ اے میرے پیغمبر عیسیٰ ابن مریم! اس قبر والے کے بچے نے آج سے اپنے استاد کے پاس جاکر تورات کا پہلا سبق پڑھا ہے اس کے استاد نے اسے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھایا ہے تو مجھے اس بات کا حیا محسوس ہوا کہ اس کا چھوٹا بچہ تو مجھے رحمان اور رحیم کہے اور میں اسے عذاب میں مبتلا رکھوں پس میں نے اسے بخش دیا۔

آپ خیال فرمائیے کہ تورات کی تلاوت سے مرنے والے کو اس قدر نفع کہ وہ جہنم سے جنت میں پہنچ جائے اور الحمد اللہ ہم تو مسلمان ہیں اور ہمیں تو حضور سید عالم ﷺ کے طفیل ام الکتاب قرآن مجید عطا ہوا ہے اس کی تلاوت' مرنے والوں کو کتنا نفع دے گی۔ (اللہ اکبر) گویا اس کا انکار کرنے والے قرآن مجید کو تورات جتنی اہمیت بھی نہیں دیتے۔ (اللہ محفوظ فرمائے)

ایصال ثواب کا نبوی حکم

امیر المومنین باب مدینۃ العلم حضرت سیدنا علی المرتضٰی ؓ راوی ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان گیا اور اس نے گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب وفات شدگان کو بخش دیا تو اس کو ان فوت شدگان کی تعداد کے مطابق اجر ملے گا۔ حضرت انس ؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں سورہ یٰسین پڑھے تو مردوں کے عذاب میں تخفیف اور ان کی تعداد کے مطابق پڑھنے والے کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (شرح الصدور ص 294)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ (ہر ایک کو چاہیے کہ وہ) ایک سو مرتبہ درود پاک' ستر مرتبہ استغفار اور کچھ قرآن مجید کا حصہ پڑھے پھر والدین' پیر' استاد' اپنے دوست' احباب اور سب مومنین و مومنات کی روح کو بخشے۔ (انتباع فی سلاسل اولیاء ص 116)

ایصال ثواب پر اہم فتویٰ

نامور محقق اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی کا فتویٰ ملاحظہ ہو وہ اپنی مشہور کتاب ''آٹھ مسائل کا محققانہ فیصلہ'' میں رقمطراز ہیں۔

ایصال ثواب کرنا اور فاتحہ پڑھنا جیسا کہ مسلمانوں میں رائج ہے بلاشبہ جائز و مستحسن ہے حدیث شریف میں ہے۔

عن سعید بن عبادة قال یا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بئرا وقال هذه لام سعد.(رواه ابو دائود، والنسائی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ ام سعد یعنی میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے ان کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے؟ سرکار اقدس نے فرمایا پانی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے یعنی اس کا ثواب اس کی روح کو ملے۔ (ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ ص ۱۹۹)

اس حدیث شریف سے چند باتیں واضح طور پر معلوم ہوئیں۔

(۱) میت کو کسی کارِ خیر کا ثواب بخشنا بہتر ہے کہ صحابی رسول ﷺ نے کنواں کھودنے کا

ثواب اپنی ماں کو بخشا۔

(۲) ثواب بخشنے کے الفاظ زبان سے کہنا صحابی کی سنت ہے کہ کنواں کھودنے کے بعد انہوں نے فرمایا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے یعنی اس کا ثواب ان کی روح کو ملے۔

(۳) کھانا یا شیرینی وغیرہ کو سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارۂ قریب کا لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یعنی یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے جس سے معلوم ہوا کہ کنواں ان کے سامنے تھا۔

(۴) غریب و مسکین کو کھانا وغیرہ دینے سے پہلے بھی ایصال ثواب کرنا جائز ہے جیسا کہ صحابی رسول ﷺ نے کیا کہ کنواں تیار ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے ایصال ثواب کیا۔ حالانکہ لوگوں کے پانی استعمال کرنے پر ثواب ملے گا اسی طرح اگرچہ غریب و مسکین کو کھانا دینے پر ثواب مرتب ہوگا لیکن اس ثواب کو پہلے ہی بخش دینا بھی جائز ہے۔

اور بزرگانِ دین کے مزارات اور عامۂ مومنین کی قبروں پر فاتحہ کا جو طریقہ رائج ہے کہ مختلف جگہ سے قرآن مجید کی چند سورتیں اور آیتیں پڑھی جاتی ہیں پھر ایصال ثواب کیا جاتا ہے بلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔

طعام پر فاتحہ اور ایصال ثواب

آج کل بعض محدود فکر کے حامل لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں اس حوالے سے مصنف کتب کثیرہ حضرت استاذ العلماء شیخ القرآن والحدیث علامہ مفتی فیض احمد اویسی صاحب قبلہ مدظلہ العالی (بہاولپور) نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام "طعام پر دعا مانگنا اور آگے رکھ کر قرآن پڑھنا" رکھا گیا ہے عوام کے لیے اس کا

مطالعہ مفید ہے آپ رقمطراز ہیں کہ......

"......طعام آگے رکھ کر قرآن پڑھنا اور دعا مانگنا ایک معمولی جھگڑا ہے اصل مقصد یہ ہے کہ میت کو عذاب سے چھڑانا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا مستحق بنانا چاہیے اور ہم تو نہیں جانتے کہ اس غریب کے ساتھ قبر میں کیا ہو رہا ہے۔ لیکن حضور سرور عالم ﷺ نے تمام تفصیل بتادی ہے کہ فلاں فلاں عمل سے عذاب قبر ہے وغیرہ وغیرہ اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایصال ثواب سے اسے عذاب قبر سے نہ صرف نجات نصیب ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنت کی نعمتوں سے نوازتا ہے اگر ایصال ثواب نہیں کرو گے تو وہ بدستور عذاب میں مبتلا رہے گا۔ چنانچہ پھر اس کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ فقیر نے ایک ضخیم کتاب لکھی "اخبار القبور" یعنی قبور والوں کے حالات کہ انہیں کیا ہو رہا ہے اور بعض بخشے جاتے ہیں تو کیوں اور بعض بدستور عذاب میں ہیں تو کیوں۔ یہاں چند نمونے حاضر ہیں۔

بے شمار فائدے

ابو محمد سمرقندی نے سورہ اخلاص کے فضائل میں ذکر کیا کہ جس نے قبرستان سے گزرتے ہوئے گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی اور اس کا ثواب مردوں کو بخش دیا تو مردوں کی تعداد کے مطابق اسے اجر ملے گا۔

فائدہ:۔ سمرقندی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔

قیامت کا فائدہ

ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی نے اپنے فوائد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو قبرستان پر گزرا اور اس نے سورۂ فاتحہ، اخلاص اور

الھکم التکاثر پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میں نے جو قرآن پڑھا ہے اس کا ثواب مومن مرد اور عورت دونوں کو دینا تو وہ قبر والے قیامت کے دن اس کی سفارش کریں گے۔

ثواب کی تقسیم

قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری نے سلمہ بن عبید سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ عماد مکی نے بتایا کہ ایک رات میں مکہ کے قبرستان کی طرف چلا گیا اور ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو دیکھا کہ قبروں والے حلقہ در حلقہ کھڑے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا کہ قیامت قائم ہوگئی انہوں نے کہا کہ نہیں ہاں ہمارے ایک بھائی نے سورۂ اخلاص پڑھ کر ہم کو ثواب پہنچایا تو وہ ثواب ہم ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔

گورستان میں قرآن خوانی

عبدالعزز جلال کے ساتھی انہوں نے روایت کیا کہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قبرستان میں یٰسٓ پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی برکات سے مردوں کے عذاب میں تخفیف فرما دے گا اور پڑھنے والے کو ان کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا قرطبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کہ "اتنے مردوں پر "یٰسین پڑھو" دو احتمال رکھتی ہے۔ ا۔ مرتے وقت ۲۔ قبر پر۔

پہلا قول جمہور کا ہے اور دوسرا عبدالواحد مقدسی کا اور شوافع علمائے متاخرین میں سے محب طبری نے اس کو عام رکھا۔ غزالی نے احیاء میں اور عبدالحق نے احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہوئے عاقبت میں بیان کیا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۃ فاتحہ، معوذتین اور اخلاص پڑھو اور ان کا ثواب اہل قبر کو پہنچا دو کیونکہ یہ پہنچتا ہے۔ (شرح الصدور)

پڑھنے اور سننے والے کا ثواب

قرطبی نے کہا کہ ایک قول یہ ہے کہ پڑھنے کا ثواب پڑھنے والے کو ہے اور میت کو سننے کا ثواب ہے اسی لیے تو نص قرآنی کے بموجب قرآن کے سننے والے پر رحم ہوتا

ہے قرطبی فرماتے ہیں کہ خدا کے کرم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ پڑھنے اور سننے دونوں کا ثواب مردے کو پہنچا دے حنفیوں کے فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ جو میت کو مانوس کرنا چاہے تو وہ قبر کے پاس قرآن پڑھے ورنہ جہاں چاہے پڑھے کیونکہ خدا ہر جگہ کی قرأت سننے والا ہے۔ اسی لیے ہم اہلسنت اموات کے لیے قبور پر بھی ختم کراتے ہیں اور گھروں میں پڑھ کر ثواب اہل قبور کو پہنچاتے ہیں۔

امام قرطبی کا استدلال

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہمارے بعض علماء نے میت کو ثواب پہنچنے پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے تو آپ ﷺ نے ایک ترشاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر ایک قبر پر ایک ٹکڑا لگا دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی قبر والوں سے عذاب میں تخفیف ہوگی خطابی نے کہا کہ علی نے اس کے معانی یہ بتائے کہ چیزیں جب تک اپنی اصلیت پر رہتی ہیں سبز رہتی ہیں یا تر رہتی ہیں خدا کی تسبیح سے عذاب ہے میں تخفیف فرماتا ہے۔ تو مومن قبر کے پاس اگر قرآن پڑھے گا تو کیا حال ہوگا پھر یہ قبروں کے پاس درخت لگانے میں اصل ہے۔

سبز ٹہنی سے مردے کو فائدہ

ابن عساکر نے حماد بن سلمہ کی سند سے روایت کیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ قبر پر سے گزرے قبر والے پر عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے ایک ٹہنی اس پر لگا دی اور فرمایا کہ شاید عذاب میں کمی ہو۔

فائدہ: حضور علیہ السلام کا شاید فرمانے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی شک والا معاملہ ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے آپ یقین کے موقع پر اس طرح تواضعاً فرما دیا کرتے تھے۔

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے ایک نیک بندے کا درجہ بلند فرمایا۔

فیقول یا رب انی لی. فیقول باستغفار ولدک لک.

(مشکوٰۃ شریف)

تو وہ عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب میرا درجہ کیونکر بلند ہوا۔

ارشاد ہوا کہ تیرا بیٹا جو تیرے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اس کے سبب سے۔

فائدہ: مندرجہ بالا حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ اگر کسی بندے نیک یا کسی عام کے لیے ایصال ثواب یا دعائے بخشش کی جائے تو اس کے درجات بلند ہو جاتے ہیں اگر گنہگار ہے تو اس سے سختی اور عذاب دور ہو جاتا ہے اس سے بڑھ کر میت کے لیے اور کیا چاہئے لیکن جسے میت سے دشمنی ہو گی وہ اس کے روکنے اور بند کرنے کے اسباب نہیں بنائے گا تو اور کیا کرے گا۔

مکمل نجات

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

امتی امۃ مرحومہ تدخل قبورھا بذنوبھا و تخرج من قبورھا لا ذنوب علیھا تمحص عنھا باستغفار المومنین۔

(شرح الصدور للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ترجمہ: میری امت امت مرحومہ ہے وہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہو گی اور جب قبروں سے نکلے گی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ مومنوں کے استغفار کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک وصاف کر دے گا۔

فائدہ: غور فرمائیے کہ میت کی نجات ہمارے ایصال ثواب سے ہوئی۔

آخر میں صرف ایک واقعہ عرض کر دوں کہ جو لوگ اپنے مردوں کو ثواب نہیں بخشتے وہ بدستور عذاب میں مبتلا رہتے ہیں جب تک ثواب نہ بھیجا جائے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے قبرستان میں خواب میں دیکھا کہ تمام اہل قبور قبروں سے نکل کر حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے ان میں ایک نوجوان میلے کپڑے مغموم بیٹھا تھا تھوڑی دیر کے بعد خوانچے آئے اور سب لے کر چلے اور وہ نوجوان خالی ہاتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بزرگ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ان کے عزیزوں نے ان کے لیے تحائف (خیراتیں اور ثواب وغیرہ) بھیجے لیکن میں ایک مصیبت کا مارا ہوں میری ماں مجھے حج کے لیے لے آئی ہیں یہاں فوت ہو گیا وہ کہیں نکاح کر چکی ہے اور عیش وعشرت میں ہے لیکن اس نے مجھے بھلا دیا کبھی کوئی خیرات اور ثواب وغیرہ نہیں بھیجتی بزرگ نے اس کی ماں کا پتہ پوچھا اور وہاں پہنچ کر اس سے اپنے بیٹے کا پوچھا تو رو پڑی بزرگ نے اس کا حال سنایا تو بہت پریشان ہوئی اور اعتراف کیا کہ واقعی مجھ سے بھول ہو گئی اب آپ میری طرف سے ہزار درہم اس کے لیے ایصال ثواب کریں بزرگ فرماتے ہیں میں نے دوسری جمعرات اسی گورستان سو رہا تھا تو اسی نوجوان کو دیکھا سفید کپڑے پہنے ہوئے اور نہایت خوش وخرم ہے اور میرے پاس آ کر خوب دعائیں دیں۔ (تنبیہہ الغافلین)

ایصال ثواب کرنے کی سفارش

جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ غیب کی خبریں بتانے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورۂ اخلاص اور سورۃ التکاثر پڑھے اور پھر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخش دے تو تمام مردے یوم حشر اس ایصال ثواب کرنے والے کے حق میں سفارش کریں گے۔ (تذکرۃ الموتی ص 91)

ایصال ثواب پر مشاہیر امت کا اتفاق

احیاء العلوم میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد بن حنبل ؒ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص قبرستان میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ سورۂ فاتحہ، سورہ اخلاص، سورہ الفلق اور سورہ الناس پڑھ کر اس کا ثواب وفات شدگان کو پہنچائے اسی طرح شرح الصدور (ص 293) میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ زیارت کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرے اور پھر دعا کرے۔ فتاویٰ قاضی خان میں فقہاء کرام کا بتایا ہوا یہ نسخہ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص میت کو اپنے آپ سے مانوس کرنا چاہے تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ قبر کے پاس جا کر قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ حضرت حماد مکی راوی ہیں کہ ایک رات مکہ مکرمہ کے قبرستان میں قرآن پاک پڑھتے پڑھتے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا خواب میں سارے اہل قبور کو حلقہ در حلقہ کھڑے دیکھتا ہوں اور پھر پوچھتا ہوں کہ کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ جواب ملتا ہے نہیں قیامت قائم نہیں ہوئی بلکہ ہمارے ایک بھائی نے سورہ اخلاص پڑھ کر ہمیں ایصال ثواب کیا تھا ہم ایک سال سے وہ ثواب تقسیم کر رہے ہیں۔

کلمہ طیبہ نجات کا ساماں

ترمذی شریف میں حدیث نبوی ﷺ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو ''لا الہ الا اللہ'' کہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھل جائیں یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش الٰہی تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

طبرانی اور احمد میں روایت ہے کہ صحابہ کو حضور کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ کلمہ طیبہ کو کثرت سے پڑھ کر ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی ایمان تازہ کرتے رہا کرو۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ کلمہ طیبہ کا اقرار جنت کی کنجی ہے اس کلمہ کا دن یا رات میں ایک مرتبہ پڑھنا اعمال نامہ سے برائیوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کو بڑھاتا ہے۔ بیہقی میں ارشاد

نبوی ﷺ ہے کہ کلمہ توحید والوں پر نہ تو قبر میں وحشت ہو گی اور نہ ہی میدان محشر میں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے میں ہر عمل کے لیے حجاب ہے مگر نہ تو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ اور رب کریم کے درمیان حجاب ہے اور نہ ہی بیٹے کے حق میں باپ کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب ہے گویا یہ مبارک کلمہ تو نجات کا سامان ہے۔

احادیث مبارکہ میں 70 ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھنے کے فضائل مرقوم ہیں شیخ محی الدین ابن عربی ؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ حدیث پہنچی کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لیے اتنی تعداد میں کلمہ شریف پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو گی۔ تو میں نے 70 ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ لیا۔ اس کے بعد میں ایک ایسی محفل میں گیا جہاں ایک شخص تھا اور اس کا کشف بہت مشہور تھا وہ شخص رو رہا تھا میں نے پوچھا کیوں روتا ہے اس نے کہا میں اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔

امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں اپنا ستر ہزار مرتبہ پڑھا ہوا کلمہ شریف اس کی ماں کو بخش دیا۔ اب اسی لمحے وہ شخص ہنسنے لگا اور کہنے لگا اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔

امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث مبارکہ سے پہچان لی۔ (ملفوظات مہریہ از حضرت پیر مہر علی شاہ، گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

سوا لاکھ کلمہ طیبہ پڑھنے سے نجات ہو گی

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی ؒ کے متعلق واقعہ مشہور ہے کہ آپ بیٹھے تھے آپ کی مجلس میں ایک شخص کا رنگ متغیر ہو گیا اور سخت پریشانی کے عالم میں وہ رونے لگ گیا۔ آپ نے پوچھا تیرے رونے کا سبب کیا ہے؟ اس نے کہا میری ماں کی قبر پر عذاب ہو رہا ہے آپ نے سوا لاکھ کلمہ شریف جو پہلے سے پڑھ رکھا تھا۔ دل ہی دل میں اس کی

ماں کو بخش دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ رونے والا شخص مسکرا رہا تھا۔ آپ نے پھر (اس سے) مسکرانے اور مسرت وخوشی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اب میری ماں جنت میں سیر کر رہی ہے۔ اس پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت رسول ﷺ میں ڈوب کر فرمایا۔ سچ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہ ''جس نے سوا لاکھ کلمہ شریف پڑھ کر میت کو بخشا تو اللہ تعالیٰ گناہ گار میت سے عذاب ہٹا لے گا اور نیک وسعید میت کے درجے مزید بلند فرما دے گا ﷺ'' (تبلیغی نصاب' باب فضائل ذکر' مصنفہ' مولوی زکریا سہارنپوری)

ایصال ثواب صرف مسلمانوں کے لیے ہے

ابو داؤد کی حدیث ہے کہ حضرت عمر بن شعیب ﷺ نے اپنے والد گرامی سے روایت کی کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں اور اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیے۔ اس کے دوسرے بیٹے عمرو نے جب باقی پچاس آزاد کرنا چاہے تو کہا کہ پہلے حضور ﷺ سے دریافت کروں گا کیونکہ صحابہ کرام کے ہر کام کا منشاء رضائے مصطفیٰ ﷺ کا حصول ہوتا تھا۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول ﷺ میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے 50 غلام آزاد کر دیے ہیں کیا باقی پچاس غلام میں آزاد کر دوں؟

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے اور وہ اسے پہنچتا۔ (اب ضرورت نہیں) معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے لیے ایصال ثواب نہ تو جائز ہے اگر کیا جائے تو بے سود ہے غیر مسلموں کو ہرگز نہیں پہنچتا۔ اس لیے ایصال ثواب کرنے والے اور جس کو ایصال ثواب کیا جائے دونوں کا حضور سید عالم ﷺ کا غلام اور پکا سچا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

لمعات میں شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سے پتہ چلا کہ

کافر کو صدقہ کا بھی نفع نہیں پہنچتا اور نہ ہی اس کی نجات ہو سکتی ہے۔ جبکہ مسلمان کو عبادت (مالی ہوں یا بدنی) نفع بھی پہنچاتی ہیں اور نجات کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

حیات اولیائے کرام سے متعلق تھانوی موقف

مولانا اشرف علی تھانوی قبروں میں موجود اولیائے کرام کے روحانی تصرفات کے متعلق رقم طراز ہیں کہ

''اسی طرح اس امت کے نیک بندوں کی کرامتیں بھی اس امت کے نبی ﷺ کے معجزوں کے تتمے ہیں اور اولیائے امت رحمہم اللہ تعالیٰ کا وجود حضور اقدس ﷺ کے ہمیشہ رہنے والے معجزات ہیں کہ انہی کی برکت سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں' انہی کی بدولت شہروں سے بلائیں دفع [illegible] انہی کی دعاؤں سے حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور انہی کے وجود کی برکات سے عذاب دفع کیے جاتے ہیں۔''

(جمال الاولیاء' ص 28' از اشرف علی تھانوی)

''اور فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں ہے' صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے' فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی ظاہری میں میری ذات سے ہوتا تھا' فرمایا (حضرت صاحب نے) کہ میں نے حضرت کی قبر مقدس سے وہی فائدہ اٹھایا جو حالت حیات میں اٹھایا تھا۔'' (امداد المشتاق' ص 113' از تھانوی)

''آپ نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا' انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت! میں بہت پریشان' روٹیوں کا محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمائیے۔ حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے یا آدھ آنہ روزانہ ملا کرے گا۔ ایک مرتبہ میں زیارت مزار کو گیا' وہ شخص بھی حاضر تھا' اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا کہ مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ پائیں قبر سے ملا کرتا ہے۔ یہ من جملہ کرامات کے ہے۔''

(امداد المشتاق' ص 117' از تھانوی)

اہل قبور سنتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں

ہمارے ایک دینی بھائی صاحبزادہ حافظ طاہر سلطان قادری کو غیر مقلدین نے ایک پمفلٹ تھمایا جس کا عنوان تھا کہ ”کیا مردے سنتے ہیں؟“ اور اس پمفلٹ میں بتوں کے لیے نازل ہونے والی آیات اولیائے کرام پر چسپاں کر دی گئیں اور لایعنی اعتراضات اور بے معنی بحث تھی۔ اس حوالے سے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

جن سے پتا چلتا ہے کہ مرنے کے بعد قبروں میں بھی مردے سنتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں۔

”(ابوعبداللہ محمد بن الحسین عبد عبدویہ) آپ کی وفات 524ھ میں ہوئی ہے اور اسی جزیرہ میں اپنی مسجد کے برابر دفن ہوئے ہیں اور آپ کی تربت، برکت و فضل میں وہاں کی مشہور تربتوں میں ہے، اس بزرگ کے آثار و برکات اس مبارک جگہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور نیک بندوں کا ملجا و ماویٰ ہے۔“ (جمال اولیاء، ص 95، از مولانا تھانوی)

”بات یہ ہے کہ جب کوئی ولی کامل اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ دنیا سے نابود ہو گئے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس موت کے بعد اس کامل کا وجود عرض و جوہر کے مرکب سے نکل کر سرتاپا جوہر ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنے کمال میں اور قوی تر ہو جاتا ہے۔“ (فیوض الحرمین (اردو) ص 144، از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی 1414ھ)

”محمد بن ابی بکر الحکمی ان کی کرامتوں میں یہ بھی ہے جو امام یافعی کی روایت ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں رہنے کے واسطے آیا تھا مگر ان کی وفات ہو چکی تھی، آپ قبر سے نکلے اور اسے بیعت کر لیا۔“ - (جمال الاولیاء ص 106، ج 1)

”ابو سنان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ثابت (بنانی) کو دفن کیا، دفن کرتے ہوئے لحد کی ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ (بعد

تدفین قبر میں) کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔“ (فضائل نماز، ص 67، از شیخ محمد زکریا)

سماع موتی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

”تمام اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لیے جاننا اور سننا ثابت ہے۔“ (جذب القلوب، فارسی، نولکشور لکھنؤ، ص 2-201)

زیارت قبور

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”تمام مومنوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بنا پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انھیں سلام کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام اوقات میں زیارت مستحب ہے۔“ (جذب القلوب، فارسی، لکھنؤ، ص 206)

اکابرین دیوبند کو اہل قبور سے نفع ہونا

اکابرین دیوبند نے اپنے مختلف واقعات میں یہ تاثر دیا ہے کہ اہل قبور کے ساتھ ہمارے رابطے استوار ہیں اور ہمیں ان سے نفع ہوا۔ گویا ملاحظہ ہو۔ مولوی رشید احمد گنگوہی رقم طراز ہیں کہ

”میں (رشید احمد گنگوہی) شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مدت دراز تک بیٹھا ہوں اور مجھ کو شاہ صاحب نے تعلیم بھی دی ہے اور جو کچھ نفع ہوا ہے وہ حضرت حاجی صاحب اور شاہ عبدالقدوس صاحب ہی کا طفیل ہے۔“ (تذکرۃ الرشید، ص 189، ج 2، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

”جناب ممدوح (شیخ محمد صاحب تھانوی) کو حضرت والا (تھانوی) سے خاص تعلق تھا، یہاں تک بعد وفات بھی حضرت والا سے عالم رویا میں فرمایا کہ ہم کو تو تمہاری طرف اب بھی ویسی ہی توجہ ہے جیسی حیات میں تھی۔“ (اشرف السوانح، ص 26، 36، ج

1، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، مرتبہ خواجہ عزیز الحسن)

"(ایک غیر مقلد نے تھانوی) سے دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا اہل قبور سے فیض ہوتا ہے؟ میں (تھانوی) نے کہا ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے، اس پر (وہ غیر مقلد) بہت چونکتے ہوئے۔ میں نے کہا کہ حدیث میں قصہ ہے کہ ایک صحابی نے قبر پر بھولے سے خیمہ لگا لیا تھا، مردہ (قبر میں) بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا تھا، انھوں نے سنا اور قرآن سننے سے ظاہر ہے کہ ثواب ہوتا ہے تو یہ فیض اہل قبور ہی سے ہوا۔"

(افاضات یومیہ حصہ ششم، ص 229)

فاتحہ خوانی اور شیرینی کے متعلق گنگوہی موقف

دیو بندی عمارت کے دوسرے بڑے ستون مولوی رشید احمد گنگوہی فاتحہ، ایصال ثواب اور شرینی تقسیم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ "ایک بار کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی قبر پر شیرینی لے جانا اور کسی بزرگ کی فاتحہ دے کر تقسیم کرنا، جائز ہے یا ناجائز؟ آپ (گنگوہی) نے ارشاد فرمایا اگر بنام خدا ہے اور ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو کچھ قباحت نہیں...... اس پر ایک شخص نے عرض کیا اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہو تو ہر جگہ سے ممکن ہے، قبر ہی پر کوئی ضرورت ہے کہ کوئی چیز بھیجی جائے؟ (آپ (گنگوہی) نے فرمایا، خیر وہاں خادم رہتے ہیں، اچھا ہے، ان کو ہی دے دی جائے، اس میں کیا قباحت ہے؟"

(تذکرۃ الرشید، ص 291، ج 2)

میت کے لئے قرآن خوانی اور ایصال ثواب پر ایک اور تحقیق

صاحب الرائے دینی سکالر محترمہ علیمی ہمایوں (فیصل آباد) اس موضوع پر اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے ......"......میت کے لئے قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی......"...... کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

حدیث نمبر 1

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

من مر علی المقابر وقرأقل هو الله احد احدی عشرة مرة ثم وهب اجره للاموات اعطی من الجر بعدد الاموات.

ترجمہ: جو شخص قبروں پر گذرا اور اس نے سورۃ اخلاص کو گیارہ مرتبہ پڑھا پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشا اس کو مردوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملے گا۔

(دارقطنی، درمختار بحث قرأت المیتہ باب الدفن۔ شرح الصدور ص 130)

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

من دخل المقابر ثم قرء فاتحة الكتاب وقل هو الله احد والهكم التكاثر ثم قال اللهم انی قد جعلت ثواب اقرأت من كلامک لاهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له الى الله تعالى. (شرح الصدور ص 130)

ترجمہ: جو شخص قبرستان جائے اور پھر ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھے اور قل ھو اللہ احد اور الھکم التکاثر پڑھ کر یہ کہہ دے اے اللہ! جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا ہے اور اس کا ثواب میں نے اس قبرستان والے مومن مردوں اور عورتوں کو بخشا۔ تو وہ تمام مردے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 3:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم وكان له بعد دمن فيها حسنات. وقال القرطبی فی حديث اقرؤوا علی

موتاکم یس هذا یحتمل ان تکون هذه القراة عند المیت فی
حال موته ویحتمل ان تکون عند قبره. (شرح الصدور 130)

ترجمہ: جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۃ یٰسٓ پڑھے۔ تو اللہ تعالیٰ تمام قبرستان والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور اس پڑھنے والے کو بقدر ان کی تعداد کے نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے بارے میں (کہ تم اپنے مردوں پر یٰسٓ پڑھا کرو) فرمایا ہے۔ کہ یہ حدیث اس کی بھی متحمل ہے کہ یہ قرأت میت کے نزدیک اس حال میں ہو کہ جب وہ مر رہا ہو اور اس کی بھی متحمل ہے کہ اس کی قبر کے نزدیک ہو۔

مندرجہ احادیث کے مضمون پر غور فرمایئے کہ مرنے والوں کو ثواب پہنچانا کتنا اجر و ثواب کا مؤجب ہوتا ہے۔ مرنے والوں کے لئے بھی اور بھیجنے والوں کے لئے بھی۔

جید علمائے امت کی آراء

1- امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو قرآن خوانی کا ثواب نہیں پہنچتا۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے بعض اصحاب نے ان کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میت کو قرأت قرآن کا ہدیہ و ثواب نہیں پہنچتا۔ یہ بات کیسی ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں تو ایسا ہی کہا کرتا تھا لیکن اب میں اس سے رجوع کر چکا ہوں۔ کیونکہ میں نے یہاں آ کر دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ثواب پہنچتا ہے۔ (شرح الصدور 123)

2- امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

یستحب لزائر القبور ان یقرأ ما تیسر من القرآن ویدعو لهم عقبها نص علیه الشافعی واتفق علیه الاصحاب وزاد فی موضع اخر وان ختموا القرآن علی القبر کان افضل.

زائر قبور کے لیے مستحب یہ ہے کہ جتنا اس سے ہو سکے قرآن پڑھے اور اہل قبور کے لیے دعا کرے اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اس پر نص پیش کی ہے اور تمام شافعی حضرات اس پر متفق ہیں اور اگر قبر پر قرآن شریف ختم کیا جائے تو اور بھی افضل ہے۔ (شرح الصدور 130)

3- امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور رہا قبروں پر قرآن شریف پڑھنا تو اس کی مشروعیت پر ہمارے اصحاب اور ان کے سوا اور علماء نے جزم کیا ہے۔ (شرح الصدور 130)

4- امام شعبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کانت الانصار اذا مات لهم المیت اختلفوا الی قبره یقرءون له، القران. (شرح الصدور 130)

انصار کا طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی مرجاتا۔ تو وہ بار بار اس کی قبر پر جاتے اور اس کے لیے قرآن پڑھتے۔

5- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اذا دخلتم المقابر فاقرء وابفاتحة الکتاب والمعوذتین وقل هوا لله احد واجعلوا ذلک لاهل المقابر فانه، یصل الیهم. (شرح الصدور 130)

کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۃ فاتحہ اور معوذتین اور سورۃ اخلاص پڑھو اور ان کا ثواب اہل مقابر کو پہنچاؤ کیونکہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔

6- زعفرانی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انی سألت الشافعی رحمه الله عن القراء ة عند القبر فقال لا باس به. (شرح الصدور 130)

میں نے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ قبر پر قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا

کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

7- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اس کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ سوۃ الم نشرح، پھر تین سو ساٹھ بار وہی دعا مذکور پڑھے پھر دس مرتبہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی سی شیرینی پر فاتحہ تمام خواجگان چشت کے نام سے پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے اسی طرح سے ہر روز کرے ان شاء اللہ چند یوم میں مقصد حاصل ہوگا۔

(انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ 100)

یہی شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ویقرا شیا من القرآن لوالدیہ ثم لشیخہ ولاستاذہ ثم لاصحابہ ولا خوانہ ویروح ارواح المؤمنین والمؤمنات. (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ 116)

اور جو شخص قرآن پڑھے اور والدین پیر استاد اور اپنے دوستوں اور بھائیوں اور سب مومنین اور مومنات کی ارواح (طیبہ) کو ثواب بخشے۔

8- شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہاں! صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان کی قبروں سے برکت حاصل کرنا اور ایصال ثواب، تلاوت قرآن، دعائے خیر، تقسیم طعام و شرینی سے ان کی مدد کرنا بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

9- حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی رات کو قبرستان گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں نور چمک رہا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قبرستان والوں کو بخش دیا ہے۔ غیب سے آواز آئی۔ اے مالک بن دینار! یہ مسلمانوں کا تحفہ ہے جو انہوں نے قبر والوں کو بھیجا ہے میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم ہے مجھے بتاؤ مسلمانوں نے کیا تحفہ بھیجا ہے؟

اس نے کہا ایک مومن مرد نے اس رات قبرستان میں قیام کیا تو اس نے وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور ان دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں **قل یا ایھا الکفرون** اور دوسری رکعت میں **قل ھو اللہ احد** پڑھا اور کہا اے اللہ! ان دو رکعتوں کا ثواب میں نے ان تمام قبروں والے مومنین کو بخشا۔ پس اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ روشنی اور یہ نور بھیجا ہے اور ہماری قبروں میں کشادگی اور فرحت پیدا فرما دی ہے حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں۔ اس کے بعد میں ہمیشہ دو رکعتیں پڑھ کر ہر جمعرات میں مومنین کو بخشتا۔ ایک رات میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا فرمایا اے مالک بن دینار! بے شک اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جنت میں ایک مکان بنایا ہے جس کا نام منیف ہے۔ میں نے عرض کیا یہ منیف کیا ہے؟ فرمایا کہ جس پر اہل جنت بھی جھانکیں۔

(شرح الصدور 128)

کیا یہ ممکن ہے کہ اس طرح کے دو نفل ہم بھی پڑھ سکیں؟

میت کے لیے تسبیح وکلمہ واذکار پڑھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک تو پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا۔

(ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا بنصفین ثم غرز فی کل قبر و احدۃ قالوا یا رسول اللہ ﷺ لم صنعت ھذا؟ فقال لعلہ ان یخفف عنھما مالم ییسا) پھر آپ نے ایک کھجور کی تر شاخ لی اور درمیان سے چیر کر اس کے دو حصے کرکے دونوں قبروں پر گاڑ دیئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا اس لیے کہ جب تک یہ شاخیں ہری رہیں گی۔ ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے

گی۔ (بخاری مسلم مشکوۃ 42)

اس حدیث شریف سے یہ ظاہر ہوا کہ قبروں پر پھول ڈالنا ان پر درخت لگانا جائز ہے، اور اس سے قبر والے راحت پاتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس حدیث کی رو سے یہ سنت بھی ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یاروں اور دوستوں کو کہہ دیں کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ** مرحومی خواجہ محمد صادق کی روحانیت کے لیے اور ستر ہزار بار ان کی ہمشیرہ مرحومہ ام کلثوم کی روحانیت کے لیے پڑھیں اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب ایک کی روح کو اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں دوستوں سے فاتحہ اور دعاء کے لئے التماس ہے۔ (مکتوبات)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان پر نماز جنازہ پڑھی پھر ان کو قبر میں اتار کر ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ بعد ازاں حضور اکرم ﷺ نے تکبیر و تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا دیر تک پڑھتے رہے۔ **(فقیل یا رسول اللہ ﷺ لم سبحت ثم کبرت؟ قال لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتی فرجه الله عنه)** تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی؟ فرمایا اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی ہماری تسبیح و تکبیر کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فراخ کر دیا ہے۔ (مشکوۃ 26)

اس حدیث سے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قبر پر تسبیح و تکبیر پڑھنا اور ان کی تسبیح و تکبیر سے صاحب قبر کو فائدہ پہنچنا اظہر من الشمس ہے اگر غور کیا جائے تو اس سے بعد از دفن قبر پر اذان دینے کا مسئلہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(ایصالِ ثواب..... محترمہ علیمی ہمایوں)

وسیلہ کیا ہے؟

کویت کے سابق وفاقی وزیر اور سلسلہ رفاعیہ کے عظیم روحانی پیشوا فضیلۃ الشیخ السید یوسف السید ہاشم الرفاعی اپنی کتاب ''ادلۃ **اهل السنة والجماعة**'' میں عالم عرب کے نامور محدث الشیخ محمد زکی ابراہیم کی کتاب "**قضایا الوسیلہ**" اس کتاب کا ترجمہ پاکستان کے نامور عالم دین شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبدالحکیم شرف قادری نے ''اسلامی عقائد'' کے نام سے کیا ہے) کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ اقسام توسل چونکہ نفس توسل بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے' اس لیے اس کی قسموں کے بارے میں گفتگو اختلافی مسائل سے تعلق رکھتی ہے۔ جن میں ایمان اور کفر، توحید اور شرک کا فرق نہیں ہوسکتا۔ ہاں جائز یا ناجائز اسی طرح حلال یا حرام ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ توسل کی تین قسموں پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے۔

1- اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے کی ظاہری حیات میں توسل' جیسے کہ ایک نابینا صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا' اس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

2- زندہ آدمی کے عمل صالح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل' جیسے کہ حدیث غار میں ہے کہ تین شخص ایک غار میں داخل ہوئے اور ایک بھاری پتھر نے اس غار کا راستہ بند کر دیا۔ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی۔

3- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ذات اقدس اور اسماء و صفات سے توسل۔

چونکہ یہ تینوں قسمیں بالاتفاق جائز ہیں' لہٰذا ان کے جواز پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ کسی مقبول بارگاہ ہستی کے وصال کے بعد اس کی ذات سے توسل میں اختلاف ہے۔ جمہور مسلمانوں یعنی اہل سنت کے نزدیک جائز ہے' ان کے پاس اس نظریے پر متعدد نقلی دلائل ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔ ہم اس جگہ ان

میں سے نابینا صحابی کی حدیث پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں' کیونکہ اس مسئلے میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اور وہی زیادہ تر موضوع گفتگو ہوتی ہے۔

توسل اور حاجت روائی میں نابینا صحابی اور حدیث پاک

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف ؓ سے راوی ہیں کہ ایک نابینا صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! میری بینائی زائل ہو گئی ہے' میرے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمائیے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جا کر وضو کر اور دو رکعتیں پڑھ' پھر یوں دعا مانگ:

"اللھم انی اسئلک و اتوجه الیک بنبی محمد نبی الرحمة یا محمد انی استشفع بک علی ربی فی رد بصری"

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی اکرم' نبی رحمت' محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں' اے اللہ کے حبیب! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی کی واپسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میری حاجت کے بارے میں شفاعت فرمائیے کہ وہ پوری کی جائے۔ اے اللہ! آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تمھیں کوئی حاجت درپیش ہو تو ایسا ہی کرنا حدیث کی روایات میں الفاظ کا معمولی اختلاف پایا جاتا ہے' لیکن وہ زیادہ اہم نہیں ہے۔

فقہاء نے اس حدیث سے صلوۃ الحاجۃ کا مستحب ہونا ثابت کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو تو وہ یہ نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگے' اس کے علاوہ جو دعا ذہن میں آئے اور اس کی ضرورت محسوس ہو' مانگے خواہ وہ روایات میں وارد ہو یا نہ۔

زندہ شخصیت سے توسل کا صحیح ہونا اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہے' میت اس

کے معنی و مفہوم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس ہستی کا وصال ہو جائے۔ اس کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے' کیونکہ زندہ یا میت سے توسل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے جسم یا اس کی زندگی اور موت سے وسیلہ پکڑا جا رہا ہے' بلکہ وسیلہ اس وصف جمیل کی بناء پر پکڑا جاتا ہے جو زندگی اور موت دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اور جس کی بناء پر وہ شخصیت زندگی اور موت دونوں صورتوں میں عزت و کرامت کی مستحق ہے۔ اس کے علاوہ یا محمد ﷺ غائبانہ ندا کی گئی ہے جس میں زندگی اور وصال برابر ہیں۔ دراصل توسل اس وصف جمیل سے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محترم ہے اور روح کو لازم ہے اور اسی وصف کی بنا پر کسی ہستی کی زندگی میں یا وصال کے بعد یکساں طور پر توسل کیا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرام کا حضرت عباس ؓ سے توسل

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے بارش کی دعا مانگتے وقت آپ کے چچا حضرت عباس ؓ سے توسل کیا' اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے آپ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں ہے' کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے' کیونکہ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت نبی اکرم ﷺ کی قرابت کے پیش نظر حضرت عباس ؓ سے توسل کر رہی تھی اور اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے توسل کر رہے تھے' تو دوسری طرف بعض صحابہ روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور محبوب رب العالمین ﷺ کا وسیلہ پیش کر کے بارش کی دعا کر رہے تھے۔

ابن ابی شیبہ سند صحیح حضرت مالک الدار سے راوی ہیں جیسے کہ فتح الباری میں ہے' امام بخاری نے یہ حدیث تاریخ کبیر میں بیان کی۔ ابن ابی خیثمہ امام بیہقی' دلائل النبوۃ میں راوی ہیں کہ حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی ؓ' حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں واقع ہونے والے قحط کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیے کہ وہ ہلاکت کے کنارے

پہنچ چکی ہے۔ (الی آخر الحدیث)

امام ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں صحابہ کرام کے حضرت عباس ؓ سے توسل کا سبب بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ انھیں نبی اکرم ﷺ کی قرابت حاصل ہے (اور سبب نبی اکرم ﷺ سے آپ کے وصال کے بعد توسل کے منافی نہیں ہے' بلکہ یہ آپ ہی کی ذات اقدس سے توسل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے بیک وقت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا حضرت عباس ؓ سے توسل کیا' ورنہ کیا سبب تھا کہ انھوں نے دوسرے حضرات کی موجودگی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتح الباری میں کلام بھی اسی پہلو کی تائید کرتا ہے۔

جمہور علماء مسلمین کے موقف کو اس واقعہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے روضہ مبارک کی چھت میں روشن دان کھولا گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا گیا کہ وہ بندوں پر مہربانی فرمائے جیسے کہ حضرت ابو الجوزاء سے مروی ہے۔ یہ حدیث امام دارمی نے اپنی سنن میں روایت کی۔ حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس پر تائیدی کلمات تحریر فرمائے۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عباس ؓ کی شخصیت سے توسل ایک فرع ہے اور نبی اکرم ﷺ سے توسل اصل ہے' اور یہ فرع کسی طرح بھی اصل کے منافی نہیں ہے نہ عقلاً نہ نقلاً۔

استمداد

انبیاء اولیاء سے مدد طلب کرنے والوں کو نام نہاد ''مواحد'' کہلانے والے مشرک سے کم کوئی ''عہدہ'' دینے کو تیار نہیں حالانکہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

سمجھنا چاہیے کہ غیر سے اس طرح مدد چاہنا کہ اسی پر بھروسہ ہو اس کو مدد الٰہی کا مظہر بھی نہ جانے' حرام ہے اور اگر توجہ صرف حضرت حق کی طرف ہے اور غیر کو مدد الٰہی کا مظہر جان کر اور اللہ تعالیٰ کے کارخانہ حکمت و اسباب میں نظر کر کے غیر سے ظاہری مدد طلب کرے تو یہ عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء و اولیاء نے بھی غیر سے اسی طرح کی مدد طلب کی ہے۔ اور درحقیقت یہ استعانت غیر کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے۔ (تفسیر فتح العزیز ص 10)

اسی طرح حصن حصین میں حدیث پاک وارد ہے کہ وان ارا دعونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی. (ص 202 حصن حصین) اور اگر مدد چاہے تو چاہیے کہ کہے اے خدا کے بندو! میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو! میری مدد کرو اے خدا کے بندو! میری مدد کرو۔

مفکر اسلام مولانا سید شاہ تراب الحق قادری اپنی کتاب ''تصوف و طریقت'' میں رقم طراز ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے' اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی اور ان کی جو تم میں حکم والے ہیں (یعنی علماء حق کی) (النساء 59)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں' آج سے قیامت تک جو معاملہ کسی کو درپیش ہو وہ قرآن کے مطابق اس کا فیصلہ کرے اگر قرآن میں اس کا فیصلہ نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اس کا فیصلہ کرے اور ان دونوں میں اس کا فیصلہ نہ ملے تو پھر صالحین کے مطابق اس معاملے کا فیصلہ کرے۔ (دارمی)

یہ تو اصولی باتیں تھیں جو ذہن میں رکھنی چاہییں۔ اب پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ دعا کیا ہے؟ کیونکہ بد مذہب قرآنی آیات کے الفاظ دعا' یدعوا' تدعون وغیرہ کے من گھڑت معانی بتا کر اہل سنت کو دھوکا دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں مذکورہ الفاظ چھ معنوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اوّل عبادت (القصص: 88) دوم: استعانت (البقرہ 23) سوم: مانگنا (المومن 60)

چہارم کلام (یونس 10) پنجم ندا کرنا (بنی اسرائیل 71) ششم پکارنا (النور 63) اب اگر تدعون کا ترجمہ تم پکارتے ہو کیا جائے تو پھر بتایئے کون مسلمان رہے گا ہم صبح وشام ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے بھی لوگوں کو پکارا اور دین کے لیے بلایا۔ بلکہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا' اے حبیب ﷺ فرما دیجئے' اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (الاعراف 158) یقیناً حضور علیہ السلام نے تمام انسانوں کو پکارا۔ ابراہیم علیہ السلام کو تمام مسلمانوں کو پکارنے کا حکم ہوا' اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے (الحج 28) تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو (الاحزاب 5) ان آیات میں صرف پکارنے کا ذکر ہے جبکہ متعدد آیات ایسی ہیں جن میں مطلقاً مدد کے لیے پکارنا مذکور ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو مدد کے لیے پکارا (الصف 14) حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس منگوانے کے لیے درباریوں سے مدد مانگی (النمل 38) حضرت سکندر ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے خلاف دیوار بناتے وقت لوگوں سے مدد مانگی (الکہف 95) اسی طرح بیشمار مثالیں دی جا سکتی ہیں مختصر یہ کہ تمام اکابر مفسرین کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے جسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ترجمہ قرآن بعنوان ''کنز الایمان'' میں تحریر فرمایا ہے۔

محبوبانِ خدا سے خصوصاً نبی کریم ﷺ سے بعد وصال توسل' استغاثہ اور استمداد طلب کرنے سے متعلق دلائل پہلے بھی عرض کیا گیا۔ ایک ایمان افروز واقعہ مزید عرض کرتا ہوں جسے امام رازی نے تفسیر کبیر کی پانچویں جلد میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میرا جنازہ حضور علیہ السلام کے حجرہ اقدس کے دروازے پر لے جا کر عرض کرنا' یا رسول اللہ ﷺ آپ کا غلام ابوبکر حاضر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا'

جب صحابہ کرام نے یہ عرض کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر ہیں تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور روضہ انور سے آواز آئی ادخلوا الحبیب الی الحبیب' حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔ دیکھئے یہ ہے صحابہ کرام کا عقیدہ اور حضور ﷺ کا تصرف واختیار۔ یہ وسوسہ دل میں نہ آنے دیجیے گا کہ روضہ مطہرہ پر تو مانگنے والے کو ملتا ہے مگر دور والوں کی حضور علیہ السلام کو خبر نہیں ہوتی۔ امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں۔

ہمارے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں' وہ اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کی حالتوں' نیتوں' ارادوں اور دل کی باتوں کو بھی جانتے ہیں اور یہ سب امور آپ پر بالکل ظاہر ہیں اور اس میں کوئی شے مخفی نہیں۔ (مواہب الدنیہ ج 2) الحمد للہ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ امام سیوطی نے الحاوی للفتاوی میں مکہ مکرمہ کے ایک بزرگ ابن ثابت کا روح پرور واقعہ بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ لگاتار ساٹھ سال تک ہر سال صرف نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضری دیتا رہا ایک سال کسی عارضہ کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا ایک دن یہ اپنے حجرہ میں کچھ غنودگی کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ نور مجسم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا سرکار نے ارشاد فرمایا' ابن ثابت تم ہماری زیارت کو نہ آ سکے اس لیے ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔

آہیں دل اسیر سے لب تک نہ آئیں تھیں
اور آپ دوڑے آئے گرفتار کی طرف

آپ نے محبوبانِ خدا کو مددگار ومشکل کشا سمجھنے سے متعلق بھی پوچھا ہے' اس سلسلے میں قرآن کریم سے چند آیات اسی سوال کے جواب میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ دو آیات مزید ملاحظہ فرمائیں' ارشاد باری تعالیٰ ہوا' بیشک تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں (المائدہ 55) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ رسول ﷺ اور اولیاء صالحین کو مسلمانوں کا مددگار قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ مددگار سے ہی مدد مانگی جاتی ہے۔ سورہ تحریم آیت 4 میں ارشاد ہوا' بیشک اللہ ان کا

مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی مددگار اور جبریل علیہ السلام و ملائکہ اور اولیاء و صالحین بھی۔ فرق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بالذات مددگار و مشکل کشا ہے اور اس کی صفات ازلی' ابدی اور لامحدود لا متناہی ہیں جبکہ بندوں کا مددگار و مشکل کشا اور داتا ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور بندوں کی صفات حادث' فانی اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اہلسنّت کے پیشوا جنھیں دیوبندی حضرات بھی اپنا مقتدا مانتے ہیں' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایاک نستعین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ سمجھنا چاہیے کہ غیر سے ایسی استعانت حرام ہے جس میں غیر پر ہی اعتماد ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے اور اگر توجہ تو اللہ ہی کی طرف ہو اور غیر کو اللہ کی امداد کا مظہر جانے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے غیر سے ظاہری طور پر مدد مانگے تو یہ راہ معرفت سے دور نہ ہوگا اور یہ استعانت شریعت میں جائز ہے اسی قسم کی استعانت انبیاء کرام و اولیاء عظام نے غیر سے کی ہے اور درحقیقت یہ استعانت غیر اللہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (تفسیر عزیزی)

اس مسئلہ پر غیر مقلدوں کے پیشوا نواب وحید الزمان نے لکھا ہے۔ ''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ جمال گوٹہ از خود دست لاتا ہے یا آگ از خود جلاتی ہے تو وہ مشرک ہے اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ جمال گوٹہ کا دست لانے کا سبب بننا اور آگ کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن و ارادے سے ہے تو وہ توحید پرست ہے مشرک نہیں۔'' آگے چل کر مزارات اولیاء پر دعا مانگنے کے متعلق لکھا زیارت کرنے والے کے لیے میت کو دعا کرنے سے کون سی چیز روکتی ہے'' حالانکہ سوال مردوں سے نہیں ہے بلکہ اولیاء کی روحوں سے ہے اور روحیں موت کا ذائقہ نہیں چکھتیں اور نہ ہی فنا ہوتی ہیں بلکہ ان کا احساس و ادراک باقی رہتا ہے۔'' (ہدیۃ المہدی) تعصب سے بالاتر ہو کر اگر اہلحدیث حضرات اس کتاب کا

مطالعہ کریں جو کہ ان کے معروف پیشوا کی لکھی ہوئی ہے تو اختلافات ختم کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

علامہ نابلسی کشف النور عن اصحاب القبور میں اولیاء کے تصرفات کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''یہ لوگ فریب میں مبتلا ہیں جنھیں ابھی تک یقین نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو محبوب رکھتا ہے اور ان کی زندگی میں ان کے ذریعے وہ تمام امور پیدا فرماتا ہے جو مقدر ہو چکے ہیں کہ اولیاء کرام ان کا ارادہ کریں گے بشرطیکہ وہ امور خلاف شرع نہ ہوں اور ان کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ غیر معمولی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن کا ارادہ اولیاء کرام کی روحیں کرتی ہیں۔'' مزید فرماتے ہیں۔'' یہ غافل لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ فلاں دوا جلاب لاتی ہے فلاں چیز قبض کرتی ہے فلاں مرض میں فلاں دوا فائدہ دیتی ہے یہ کہتے ہوئے انھیں توحید و شرک کی پرواہ نہیں ہوتی لیکن اگر تاثیر اور استمداد کی نسبت اولیاء کرام و صالحین کی طرف کر دی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر دوا سے افضل ہیں تو انھیں تقید بھی یاد آ جاتی ہے اور پرہیز بھی سچ تو یہ ہے کہ ایسے غافل لوگوں کی نور بصیرت بجھ چکا ہے اور راہ حق دیکھنے والی بصارت ختم ہو چکی ہے۔

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں' اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں یعنی حیات و ممات میں کوئی فرق نہیں اس لیے ان کی شان میں کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تذکرۃ الموتی و القبور میں فرماتے ہیں' اولیاء کرام اپنے دوستوں اور معتقدین کی دنیا و آخرت میں مدد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔''

علامہ نابلسی کشف النور میں فرماتے ہیں' ''حضرت معروف کرخی فرمایا کرتے تھے کہ اگر بارگاہ خدا میں تمہاری کوئی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ کو میری قسم دو اس کی ذات کی قسم نہ دو' جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے اس لیے وہ ان کی دعا قبول نہیں فرماتا' اگر اس کی معرفت انھیں حاصل ہو جائے تو ان کی دعائیں قبول ہوں۔ اسی

طرح سیدی محمد حنفی شاذلی سے منقول ہے' وہ ایک جماعت کے ساتھ مصر سے روضہ کی طرف
پانی پر چلتے ہوئے جا رہے تھے اور انھیں فرماتے تھے کہ یا حنفی کہتے ہوئے میرے پیچھے چلتے
رہو اور تم یا اللہ نہ کہنا ورنہ ڈوب جاؤ گے۔ ان میں سے ایک شخص نے ان کی نصیحت نہ مانی
اور یا اللہ کہا تو وہ حلق تک پانی میں چلا گیا' شیخ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا' بیٹے تجھے
اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہے کہ تو اس کا نام لے کر پانی پر چل سکے۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی
معرفت عطا کرتا ہوں یہ فرمایا کہ تمام حجابات اس کے سامنے سے اٹھا دیے۔ حاصل کلام یہ
ہے کہ ہو سکے تو زندہ شیخ ورنہ وصال شدہ بزرگ کا دامن پکڑنا بہتر ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو
انشاء اللہ ہدایت پاؤ گے اور معترض نہ بنو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے رسالے "برکات الامداد لاھل الاستمداد" میں فرماتے
ہیں۔ "اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی قادر بالذات و
مالک مستقل جان کر مدد مانگنا' ان معنوں میں ہی اگر بیماری کے علاج میں طبیب یا دوا سے
استمداد کرے یا فقیری کی حاجت میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی
کچہری میں مقدمہ لڑائے بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے جو یقیناً تمام
وہابی حضرات روزانہ اپنی عورتوں' بچوں' نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ
فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے سب قطعی شرک ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے
پر خود انھیں اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا اور
جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر' واسطہ' وسیلہ اور
سبب جان کر تو انہی معنوں میں انبیاء کرام' اولیاء عظام سے مدد مانگنا شرک کیونکر ہو گا؟"

اس موضوع پر برکات الامداد' اعلیٰ حضرت کا ایک جامع رسالہ ہے جس میں اس
اعتراض کے جواب ہیں کہ زندوں سے مدد مانگنا جائز اور مردوں سے ناجائز' اعلیٰ حضرت
فرماتے ہیں' "جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہو گا اور ایک کے لیے شرک
نہیں تو وہ کسی کے لیے شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے زندے ہو

سکتے ہیں دور کے نہیں ہو سکتے پاس کے ہو سکتے ہیں؟ انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں
انسان نہیں ہو سکتے فرشتے ہو سکتے ہیں؟ ماشا اللہ! اللہ عزوجل کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں' "امام
شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم ؓ کی قبر قبولیت دعا کے لیے
مجرب تریاق ہے۔ امام غزالی کا ارشاد ہے کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جا سکتی ہے اس
سے بعد وفات بھی مدد مانگی جا سکتی ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا میں نے چار مشائخ کو دیکھا
کہ اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں جیسے اپنی زندگی میں تصرف کیا کرتے تھے بلکہ اس
سے زیادہ۔ ان بزرگوں میں شیخ معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ' شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ اور دو اولیاء دوسرے ہیں۔

اب آپ معترضین و منکرین کے گھر کی گواہی ملاحظہ فرمائیے' اہل حدیث اور
دیوبندی حضرات کے مسلمہ پیشوا مولوی اسماعیل قتیل دہلوی "صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں اور
حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے لیے شیخین ؓ پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت
آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقام ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور
ان ہی جیسے باقی خدمات کا آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی
وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل
ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔" (ص 98' مطبوعہ سعید اینڈ سنز کراچی'
مترجم حبیب الرحمٰن صدیقی دیوبندی)

دیکھیے کتنے صاف لفظوں میں سیدنا علی کرم اللہ وجہ کی فضیلت آپ کے روحانی
تصرفات اور قیامت تک آپ کا نفع پہنچانا بیان کیا گیا ہے جو کہ تبصرہ کا محتاج نہیں۔

چالیس ابدال اور گرد آلود بالوں والے محبوبانِ خدا سے متعلق احادیث مسند احمد
اور مسلم و ترمذی کے حوالے سے اولیاء اللہ کے تعارف میں بیان کی جا چکی ہیں۔ اب صحیح
بخاری کی حدیث بھی سنیے' حضور ﷺ نے فرمایا' بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے ولی سے
عداوت رکھے میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے اور میرے کسی بندے کا فرائض کے

مقابلے میں دوسری عبادتوں کے ذریعے میرے قریب ہونا مجھے پسند نہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔''

اس حدیث کی شرح میں امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ''جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال' بندے کی سماعت بن جاتا ہے تو وہ بندہ قریب اور دور سے یکساں سنتا ہے اور جب یہ نور اس کی بصارت ہو جاتا ہے تو بندہ قریب اور دور سے یکساں دیکھتا ہے اور جب یہی نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ خشکی و تری میں' دور و نزدیک میں یکساں تصرف کر سکتا ہے۔'' ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کو تصرف و قدرت و اختیار عطا فرمایا ہے۔ ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

1- دعا کے معنی عبادت کے بھی ہیں اور پکارنے کے بھی۔
2- محبوبانِ خدا کو مشکل کشا اور مددگار سمجھنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔
3- حضور ﷺ جب چاہتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں حاجت روائی فرماتے ہیں۔
4- محبوانِ خدا' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے مدد فرماتے ہیں۔
5- جس سے زندگی میں مدد مانگی جا سکتی ہے اس سے بعد وصال بھی مدد مانگنا جائز ہے۔
6- اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کا منصب عطا فرمایا ہے اور اس کی طاقت بھی عطا کی ہے۔

میری دعا ہے کہ رب کریم ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور شعور نصیب فرما کر عمل کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں

آج کل غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے حالانکہ غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے متعلق بھی فتویٰ دیا۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مذہب مہذب حنفی میں جنازۂ غائب پر بھی محض ناجائز ہے۔ آئمہ حنفیہ کا اس کے عدم جواز پر بھی اجماع ہے۔ خاص اس کا جزئیہ بھی مصرح ہونے کے علاوہ تمام عبارات مسئلہ اولی بھی اس سے متعلق کہ غالباً نماز غائب کو تکرار صلوۃ جنازہ لازم بلاد اسلام میں جہاں مسلمان انتقال کرے نماز ضرور ہو گی اور دوسری جگہ خبر کے بعد ہی پہنچے گی ولہٰذا امام اجل نسفی نے کافی میں اس مسئلہ کو اس کی فرع ٹھہرایا۔

فتح القدیر' حلیہ' غنیۃ' شلبیہ' بحر الرائق اور ارکان میں ہے۔

و شرط صحتها اسلام الميت وطهارته وضعه امام المصلى فلهذا القيد لا تجوز على غائب.

(ترجمہ) صحت نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو' طاہر ہو' جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

متن تنویر الابصار میں ہے:

شرطها وضعه امام المصلى.

(ترجمہ) جنازہ کا نمازی کے سامنے حاضر ہونا شرط نماز جنازہ ہے۔

برہان' شرح' مواہب' الرحمٰن' طرابلسی' نہر الفائق' شرنبلالیہ' علی الدرر' خادی' ہندیہ ابوالسعود اور درمختار میں ہے:

شرطها حضوره فلا تصح علی غائب.

(ترجمہ) جنازہ کا حاضر ہونا شرط ہے لہٰذا غائب پر صحیح نہیں۔

متن نورالایضاح میں ہے:

شرائطها اسلام المیت و حضوره

(ترجمہ) اس کی شرطوں میں سے میت کا مسلمان ہونا اور سامنے موجود ہونا ہے۔

متن ملتقی الابحر میں ہے:

لا یصلی علی عضو ولا علی غائب.

(ترجمہ) میت کے کسی ایک عضو یا غائب میت پر نماز نہ پڑھے۔ شرح مجمع اور مجمع شرح ملتقی میں ہے۔ **محل خلاف الغائب عن البلاد اذا لو کان فی البلد لم یجز ان یصلی علیه حتی یحضر عنده اتفاقا لعدم المشقة فی الحضور.** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں ہم سے اختلاف بھی اس صورت میں ہے کہ میت دوسرے شہر میں ہو اور اگر چاہے اسی شہر میں ہو تو نماز غائب (غائبانہ نماز جنازہ) امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں کہ اب حاضر ہونے میں مشقت نہیں۔

فتاوی خلاصہ میں ہے:

لا یصلی علی میت غائب عندنا.

(ترجمہ) ہمارے نزدیک کسی میت غائب پر نماز نہ پڑھی جائے۔

متن وانی ہے۔ **من استهل صلی علیه والا لا کغائب.** جو بچہ پیدا ہو کر کچھ آواز کرے جس سے اس کی حیات معلوم ہو پھر مر جائے اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں جیسے غائب کے جنازہ پر نماز نہیں۔ کافی میں ہے:

لا یصلی علی غائب و عضو خلافا للشافعی بناء علی ان صلوة الجنازة تعادام لا.

(ترجمہ) کسی غائب یا مردے کے کسی عضو پر ہمارے نزدیک نماز نہیں پڑھی جائے گی برخلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ دوبارہ ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی۔

فتاوی شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزمی تمرتاشی میں ہے:

ان ابا حنیفة لا یقول بجواز الصلوة علی الغائب.

(ترجمہ) ہمارے امام اعظم ﷛ غائب پر نماز جنازہ نہیں مانتے۔

منظومہ امام مفتی الثقلین میں ہے:

باب فتاوی الشافعی وحدهٗ
ومابه فقال قلنا ضدهٗ
وهی علی الغائب والعضو تصح
وذاک فی حق الشهید قد طرح

صرف امام شافعی قائل ہیں کہ غائب اور عضو پر نماز صحیح ہے اور شہید کی نماز نہ ہو اور ان سب وسائل میں ہمارا مذہب ان کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک غائب و عضو پر نماز صحیح نہیں اور شہید کی نماز پڑھی جائے گی۔

حضور ﷺ نے غائبانہ جنازہ کبھی نہیں پڑھا

آگے چل کر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام ﷛ نے دوسرے مواضع میں وفات پائی۔ کبھی کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور ﷺ نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

دوسرے شہر کی میت پر صلوۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔ واقعہ نجاشی و واقعہ معاویہ لیثی و واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان میں اول دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے حاضر تھا تو غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر اور دوم و سوم کی سند صحیح نہیں اور لفظ صلوٰۃ بمعنی نماز میں صریح وضاحت نہیں۔

نجاشی کا جنازہ تو بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر تھا

سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ جمیعاً سے ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیہ فقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبرا ربا وھم لا یظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ.

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا بھائی نجاشی مرگیا۔ اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور اقدس ﷺ کھڑے ہوئے۔ صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں' حضور ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔ صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور کے سامنے حاضر ہے۔

صحیح ابوعوانہ میں انھیں سے ہے:

فصلینا خلفہ ونحن لانری الا ان الجنازۃ قدامنا.

(ترجمہ) ہم نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

امام واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے ذکر کی کہ فرمایا:

کشف للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن سویر النجاشی حتی راہ و صلی علیہ.

(ترجمہ) نجاشی کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے لیے ظاہر کر دیا گیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔

نجاشی کے جنازہ کی حکمت

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نجاشی ؓ کا انتقال دار الکفر میں ہوا۔ وہاں ان پر نماز نہ

ہوئی تھی۔ لہٰذا حضور اقدس ﷺ نے یہاں پڑھی۔ اسی بنا پر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لیے باب وضع کیا۔

نجاشی کے غائبانہ جنازہ کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں کو ان کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔ **رواہ ابن ابی حاتم فی التفسیر عن ثابت والدار قطنی فی الافراد والبزاد عن حمید معاً عن انس فی لہ شاھد فی کبیر الطبرانی فی عن و حشی داوسطہ عن ابی سعید رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم** اس نماز سے مقصود ان کی نجاشی کی اشاعت اسلام تھی۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نجاشی کے جنازہ کے حوالے سے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ غیر مقلدوں کے بھوپالی امام نے عون الباری میں حدیث نجاشی کی نسبت کہا:

اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جائز ہے اگرچہ جنازہ وغیر جہت قبلہ میں ہوا اور نمازی قبلہ رو۔ حالانکہ یہ اس مدعی اجتہاد کی کورانہ تقلید اور اس کے ادعا پر مثبت جہل شدید ہے۔ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے۔ تو جنازہ غیر جہت قبلہ میں کب تھا؟ **لا جرم لمانقل الحافظ فی الفتح قول ابن حبان انہ انما یجوز ذالک لمن فی حبھۃ القبلۃ قال حجۃ الجمود علی قصۃ النجاشی.** تو ان مجتہد صاحب کا جہل قابل تماشا ہے۔ جن کو سمت قبلہ تک معلوم نہیں پھر نبی ﷺ کا ان کے جنازہ پر نماز ان کی غیر سمت پر پڑھنے کا ادعا دوسرا جہل ہے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے جانب حبشہ نماز پڑھی **رواہ الطبرانی عن خلیفۃ ابن اسید رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ.**

جبریل نے پر مار کر معاویہ بن معاویہ مزنی کا جنازہ پیش کر دیا

معاویہ بن معاویہ مزنی کے جنازہ غائبانہ کے متعلق امام بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی نماز جنازہ تبوک میں پڑھی۔ حدیث انس ﷺ بطریق محبوب کے لفظ یہ ہیں: جبرئیل نے عرض کی: کیا حضور ﷺ اس پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔

فضوب بجناحه الارض فلم يتق شجرة ولا اكمة الا تضعضعت و رفع له سويره حتى نظر اليه فصلى عليه.

(ترجمہ) پس جبریل نے زمین پر اپنا پر مارا تو کوئی پیڑ اور ٹیلہ نہ رہا۔ جو پست نہ ہو گیا اور ان کا جنازہ حضور ﷺ کے سامنے بلند کیا گیا یہاں تک کہ پیش نظر اقدس ہو گیا تو حضور ﷺ نے اس پر نماز پڑھی۔

احناف کے لیے کسی دوسرے امام کی اقتداء نہیں

سیدنا اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ اب جبکہ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ نماز غائب وتکرار نماز جنازہ بار بار پڑھنا دونوں ہمارے مذہب میں ناجائز ہیں اور کوئی بھی ناجائز گناہ ہے اور گناہ میں کسی کا اتباع نہیں تو امام کا شافعی المذہب ہونا اس ناجائز کو ہمارے لیے کیونکر جائز کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

لا طاعة لا حد فی معصية الله تعالیٰ.

(ترجمہ) ناجائز بات میں کسی کی اطاعت نہیں۔

رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد والنسائی عن امیر المومنین علی ونحوہ احمد والحاکم بسند صحیح عن عمران بن حصین وعن عمر بن الحکم الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ثانیا

یہاں اطاعت امام کا حیلہ عجیب پادر ہوا ہے۔ بھائیو! وہ تمہارا امام تو جب ہو کہ تم

اس کی اقتدا کرو۔ پیش از اقتدا اقتدا کے بغیر اس کی اطاعت تم پر کیوں ہو اور جب تمہارے مذہب میں وہ گناہ و ناجائز ہے تو تمہیں ایسے امر میں اس کی اقتدا ہی کب روا ہے یہ وہی مثل ہے کہ کسی کودن نے کچھ اشعار قبیح و شنیع اغلاط پر مشتمل لکھ کر کسی شاعر کو سنائے۔ اس نے کہا کہ یہ الفاظ غلط باندھے ہیں۔ کہا کہ بضرورت شعری۔ کہا: بابا شعر گفتن چہ ضرور؟

ثالثاً

جائز یا فرض و واجب نمازیں جن میں حنفی حسب شرائط مذکور بحرالرائق وغیرہ اہل سنت کے کسی دوسرے مذہب والے مثلہ شافعی وغیرہ کی اقتدا کرے تو اس میں ہمارے آئمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو امور ہمارے مذہب میں اصل سے محض ناجائز ہیں' ان میں اس کی پیروی نہ کرے' اگرچہ اس کے مذہب میں جائز ہوں۔ مثلاً صبح کی نماز میں وہ قنوت پڑھے تو یہ نہ پڑھے۔ نماز جنازہ میں امام پانچویں تکبیر کہے تو یہ نہ کہے۔

خواتین کے لیے زیارت قبور کا شرعی حکم

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! زیارت قبور کے وقت میں کیا کروں؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو کہ مومنین اور مسلمین کے گھر والوں پر سلام ہو اور رب کریم تمھارے اگلوں پچھلوں سب پر رحم فرمائے اور انشاء اللہ ہم بھی تمھارے ساتھ ملنے والے ہیں۔(مسلم)

اسی طرح حضرت خاتون جنت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ الزہرا بنت رسول اللہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہ ؓ کے مزار شریف پر تشریف لے جاتی تھیں گویا حجتہ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم کے باب زیارۃ القبور میں لکھا ہے کہ............ **عن جعفر بن محمد عن ابیه ان فاطمة بنت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کانت تزور قبر عمها حمزة فی الایام فصلی و تبکی عنده**............جعفر بن محمد نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ حضرت سیدہ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بعض اوقات عم رسول اللہ حضرت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے جاتی تھیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مزارات پر عورتوں کی حاضری کو جائز نہیں سمجھتے گویا آپ اس حوالے سے اپنے رسالہ ''جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور'' میں فرماتے ہیں کہ درمختار میں ہے۔

بکرہ حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذهب المفتیٰ به لفساد الزمان.

(ترجمہ) فساد زمانہ کے باعث جماعت میں عورتوں کی حاضری مطلقاً مکروہ

(تحریمی و ناجائز) ہے۔ چاہے جمعہ یا عید یا وعظ کے لیے حاضری ہو اور چاہے بڑھیا کی حاضری شب ہی کو ہو' یہ اس مذہب کے مطابق ہے جس پر فتویٰ ہے۔

آگے چل کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم وسنن ابو داؤد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد اپنے زمانہ میں تھا۔

لوادرک رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل.

(ترجمہ) اگر نبی ﷺ ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرمادیتے' جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کردی گئیں۔

پھر تابعین ہی کے زمانہ سے ائمہ نے ممانعت شروع فرمادی پہلے جوان عورتوں کو' پھر بوڑھیوں کو بھی' پہلے دن میں پھر رات کو بھی' یہاں تک کہ حکم ممانعت عام ہوگیا۔

کہ امیر المومنین فاروق اعظم ؓ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمایا۔ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے گئیں۔ (توانھوں نے) فرمایا' اگر زمانہ اقدس میں حالت یہ ہوتی۔ حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت عمر فاروق ؓ کی طرف سے ممانعت کے الفاظ یہ ہیں۔

ولقد نهی عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه النساء عن الخروج الی المساجد فتکون الی عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها فقالت لو علم النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ماعلم عمر مااذن لکن فی الخروج.

یہ تو عورتوں کی مسجد میں حاضری کا حکم تھا اب قبروں پر حاضری کے متعلق اسی رسالہ میں سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زیارت قبور پہلے مطلقاً ممنوع تھی' پھر اجازت فرمائی۔ علماء کو اختلاف ہوا کہ عورتیں بھی اس رخصت میں داخل ہوئیں یا نہیں۔ عورتوں کو خاص ممانعت میں حدیث۔

لعن اللہ الزائرات القبور.

''اللہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت کرے۔''

نماز کیلئے عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے تو قبرستان جانے کا کیا حال ہوگا؟

عینی جلد چہارم میں ابوعمر سے ہے۔ **ولقد کرہ اکثر العلماء خروجهن الی الصلوات فکیف الی المقابر و ما اظن سقوط فرض الجمعة عنهن الا دلیلا علی امساکهن عن الخروج فیما عداها.**

(ترجمہ) اکثر علماء نے تو نمازوں کے لیے عورتوں کا نکلنا مکروہ رکھا' تو قبرستانوں کو جانے کا کیا حال ہوگا؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ عورتوں سے فرض جمعہ ساقط ہو جانا' اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس کے علاوہ سے بھی روکا جائے گا۔

قبروں پر جانے والی عورت مستحق لعنت ہے

غنیہ نے شعبی سے جو کچھ نقل فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو۔

سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لا یسئل عن الجواز والفساد فی مثل هذا وانما یسئل عن مقدار مایلحقها من اللعن فیها واعلم انها کلما قصدت الخروج کانت فی لعنة اللہ وملائکة واذا خرجت تحفها الشیاطین من کل جانب واذا انت القبور یلعنها روح المیت واذا رجعت کانت فی لعنة اللہ.

(ترجمہ) یعنی امام قاضی سے استفتاء ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا ایسی جگہ جواز' عدم جواز نہیں پوچھتے' یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے؟ جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے۔ جب گھر سے باہر نکلتی ہے سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں۔ جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے۔ جب واپس آتی ہے' اللہ کی لعنت میں ہوتی

ہے۔ استغفر اللہ۔

زیارت قبور عورتوں کے لیے حرام ہے

جلد چہارم عمدۃ القاری کی عبارت کا مطلب واضح کر دیا کہ حکم کیا بیان فرمایا یہ کہ اب زیارت قبور عورتوں کو مکروہ ہی نہیں' بلکہ حرام ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ویسی کو حرام ہے۔ ایسی کو حلال ہے۔ ویسی کو پہلے بھی حرام تھا' اس زمانہ کی کیا تخصیص؟

آگے فرمایا خصوصاً زنان مصر اور اس کی تعلیل کی کہ ان کا خروج بروجہ فتنہ ہے' یہی اولویت تحریم کی وجہ ہے۔ نہ کہ حکم وقوع فتنہ سے خاص' اور فتنہ گر عورتوں سے مخصوص' ہاں! یہ مسلک شافعیوں کا ہے۔ ابھی امام عینی سے سن چکے کہ عن الشافعی یباح لهن الخروج لہٰذا کرمانی پھر عسقلانی' پھر قسطلانی کہ سب شافعیہ ہیں' شروح بخاری میں اس طرف گئے کرمانی نے قول امام تیمی کہ ''فساد بعض زنان کے سبب سب عورتوں کو ممانعت پر دلیل ہے۔''

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اسی رسالہ ''جمل النور'' کے حاشیہ میں ہے کہ ''حاصل یہ ہے کہ علمائے کرام کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ جائز کہنے والے عام علماء نے یہ لکھا ہے کہ عورت کے لیے زیارت ''قبر'' جائز ہے اور ناجائز کہنے والوں نے یہ فرمایا کہ زیارت قبر کے لیے عورتوں کا ''جانا'' منع ہے۔ جو جائز کہنے والے ہیں وہ بھی ''زیارت قبر'' کے لیے جانے اور باہر نکلنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ خاص زیارت قبر کو نہیں۔ تو اگر ایسی صورت ہو کہ اس مقصد سے نکلنا نہ پایا جائے اور نہ زیارت قبر کو لیں تو منع کرنے والے بھی اسے جائز رکھیں گے۔ مثلاً قبر گھر میں ہے' عورت سفر حج' یا کسی سفر جائز کو جا رہی ہے۔ راہ میں قبر ہے۔ اس نے زیارت کر لی تو اس قدر جائز ہی ہوگا۔ بشرطیکہ ایسا کوئی امر نہ پایا جائے جو شرعاً جائز نہیں۔ مثلاً رونا' دھونا' بے صبری' گھبراہٹ' پریشانی ظاہر کرنا' قبر کی بے ادبی یا حد شرع سے زیادہ تعظیم کرنا وغیرہ۔ لیکن چونکہ یہ ساری رعایتیں عموماً عورتوں سے ہو نہیں پاتیں۔ اس لیے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ زیادہ خیریت اسی میں ہے کہ انھیں اس سے بھی روکا جائے! عام اجازت نہ دی جائے اور ایک مستحب کی طمع میں بہت سی ممنوعات کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔

"جمل النور" میں ہے کہ وہی بحرالرائق جس میں تھا۔ الاصح ان الرخصة ثابتة لهما یعنی رخصت زیارت مرد وزن سب کے لیے ثابت ہے۔ اسی میں ہے۔

لا ینبغی للنساء ان یخرجن فی الجنازة لان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم نهاهن عن ذالک وقال انصر فن مازورات غیر ماجورات.

(ترجمہ) عورتوں کو جنازے میں "نکلنا" نہ چاہیے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے انھیں اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ گنہ گار بے ثواب پلٹتی ہے۔

اتباع جنازہ کہ فرض کفایہ ہے جب اس کے لیے ان کا خروج ناجائز ہوا تو زیارت قبور کہ صرف مستحب ہے' اس کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

دیو بندی حکیم الامت کا فتویٰ

دیو بندی حکیم الامت مزارات پر عورتوں کی حاضری کے متعلق رقمطراز ہیں.........."........عورتوں کے لیے زیارت قبور میں تین قول ہیں' ایک منع مطلقاً **لقوله علیه السلام لعن اللّٰہ الزائرات القبور** دوسرا جواز مطلقاً **لقوله علیه السلام کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانهاتزهد فی الدنیا و تذکر الاخرة الحدیث قالوا لما نسخ النهی بلغ الرخصته الرجال والنساء جمیعا** تیسرا قول تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے ندبہ ونوحہ وغیرہ کرنا ہوتب تو حرام **و هو محمل قوله علیه السلام الاول** اور اگر عبرت اور برکت کے لیے ہو تو بوڑھیوں کو جائز **وهو محمل قوله علیه السلام الثانی** اور جوانوں کو ناجائز جیسا مساجد میں آنا' **لقول عائشه رضی اللّٰہ عنها لو ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رای مااحدث النساء بعد ہ لمنعن کما منعت نساء بنی اسرائیل** یہ تفصیل ردالمحتار میں خیر رملی سے نقل کر کے کہا ہے **وهو توفیق حسن** اور اس حکم میں عربیات و عجمیات سب برابر ہیں' ہماری شریعت اسود و احمر کے لیے یکساں ہے' واللہ اعلم۔" (امداد الفتاویٰ' کتاب الحظر والاباحة' ص 133-134' ج 2' از اشرف علی تھانوی' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی' 1346ھ)

حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی

حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ "تکمیل الایمان" میں فرماتے ہیں۔ "مردوں کے لیے زندوں کی دعاؤں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہل قبور کے لیے عظیم نفع ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں۔ نماز جنازہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" (تکمیل الایمان فارسی "طبع لکھنؤ" ص 76-75)

فوت شدگان کو ثواب کیسے ملتا ہے؟

اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کر کے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو بخشا ان روحوں میں تقسیم ہو جاوے گا؟ یعنی فی روح دو پارے پہنچیں گے یا فی روح کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا اور نتیجہ اس کا دنیا میں ملے گا یا عقبی میں دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟

آپ نے فرمایا: "اللہ عزوجل کے فضل سے امید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا ردالمحتار میں ہے **سئل ابن حجر المکی عما لوقر الاهل المقرة الفاتحة هل یقسم الثواب بینهم اویصل لکل منهم مثل ثواب ذالک کاملا فاجاب بانه افتی جمع بالثانی و هو اللائق بسعة الفضل.** اس مسئلہ کی پوری تحقیق فتاویٰ رضویہ میں ہے نتیجہ ملنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا ورحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنا دیتی ہے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے کلام میں اللہ کی نیت چاہیے دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے دعا کرے

کہ الٰہی جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا اور افضل یہ
ہے کہ تمام مسلمین و مسلمات کو پہنچائے مسلک متقسط میں ہے یقرا ماتیسر له من
الفاتحة والاخلاص سبعا اوثلاثاثم یقول اللّٰھم اوصل ثواب ماقراناه الی فلان
اوالیھم. محیط و تتار خانیه و شامی میں ہے۔ الافضل لمن یتصدق نفلاً ان
نیوی لجمیع المومنین والمومنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شئی.
(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص 206)

اعلیٰحضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب
"اتیان الارواح لدیارھم بعد الرواح" میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "میت کے اس جہان سے
جانے کے بعد مستحب ہے کہ اس کی طرف سے سات دن تک صدقہ دیا جائے علماء کا اس
میں اتفاق ہے کہ صدقہ میت کی طرف سے دینا فائدہ مند ہے اس کے متعلق صحیح احادیث
وارد ہیں خصوصاً پانی کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ میت کی طرف صدقہ و دعا کا ثواب
پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات کو اپنے گھر آتی ہے اور
دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے خویش و اقارب صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرنے والوں کی روحوں کی فریاد

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ غرائب اور خزانہ میں ہے کہ
مومنوں کی روحیں ہر جمعہ کی رات کو عید اور عاشورہ کے دن اور شب برات اپنے گھر آتی
ہیں اور دروازے سے باہر کھڑی ہو کر غم و اندوہ کے لہجے میں بلند آواز سے پکارتی ہیں کہ
اے گھر والو اے میرے بچو اور اے عزیزو مجھ پر صدقے کے ذریعے مہربانی کرو۔

ایصال ثواب کیسے کریں؟

عہد حاضر کے نامور عالم دین علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رقم طراز ہیں۔ اعلیٰ
حضرت محدث بریلوی قدس سرہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں' مسلمان کو دنیا سے جانے کے

بعد قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف اور درود شریف کی قرات اور دوسرے اعمال صالحہ یا
کھانے' کپڑے وغیرہ (صدقہ کرنے) جو ثواب پہنچایا جاتا ہے' اسے عرف میں فاتحہ کہتے
ہیں کیونکہ اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اولیاء کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں
اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ عام محاورہ ہے کہ بڑوں کے حضور جو ہدیہ پیش کرتے ہیں
اسے نذر کہتے ہیں۔

فاتحہ یا ایصال ثواب کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کا سامنے ہونا ضروری نہیں
البتہ یہ جائز اور بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے جانور کی قربانی کر کے اس کے سامنے یہ دعا
فرمائی "اے اللہ! اسے میری امت کی طرف سے قبول فرما۔" (مسلم' ترمذی' ابو داؤد)
کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعائے برکت کرنا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔
غزوہ تبوک کے دن نبی کریم ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی۔ (مسلم) حضرت
انس ؓ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا اور دعا فرمائی۔
(بخاری' مسلم) ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا حلوہ پر دعائے برکت فرمانا مذکور ہے
(بخاری و مسلم) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر تلاوت کرنا اور دعا مانگنا
بلاشبہ جائز و مستحب ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے شیطان اپنے
لیے حلال سمجھتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا پینا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا' "تو کھاؤ اس
میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔" (الانعام: 118) آپ
بتائیے کہ فاتحہ میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ کیا چاروں قل اور سورہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو
جاتا ہے؟ حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان اس کھانے کو حلال
نہیں سمجھتا اور قرآن کریم سے معلوم ہوا جس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے وہ کافر نہیں
کھاتے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانے کو حرام سمجھنا اور اسے نہ کھانا کافروں اور

شیطان کا طریقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ کی جلد اوّل صفحہ 71 پر فرماتے ہیں۔ ''نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن ؓ اور امام حسین ؓ کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔'' شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں، ''تلاوت کرنے سے کھانے کے اجزاء ذکر کے انوار سے معمور ہو جاتے ہیں اور کھانے میں کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی اور ایسا طعام کھانے سے دل کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے۔''

اعلیٰحضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ''وہ کھانا جو حضرات انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کی ارواح طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے اور امیر و غریب سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور باعث برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں برکت آ جاتی ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ)

فاتحہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ چاروں قل شریف تلاوت کیے جائیں جس میں سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھی جائے پھر سورہ فاتحہ تلاوت کی جائے، پھر اگر یاد ہوں تو سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیات اور مزید چند آیات تلاوت کر کے درود شریف پڑھ کر یوں دعا مانگی جائے۔

''اے اللہ! ان آیات اور اس طعام کو قبول فرما، ان عبادات پر جو ثواب دے وہ میرے عمل کے لائق نہ دے بلکہ اپنے کرم کے لائق ثواب عطا فرما اور یہ ثواب ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں مرحمت فرما۔ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں یہ ثواب تمام انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہلبیت عظام، تابعین، تبع تابعین، جمیع اولیائے کاملین خصوصاً فلاں ولی اللہ

مثلاً حضور سیدنا غوث اعظم ؓ کی بارگاہ میں نذر پہنچا۔ پھر یہ ثواب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے مسلمان انتقال کر گئے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے، سب کو اس کا ثواب پہنچا۔ یا اللہ! تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما، ہمیں مذہب مہذب مسلک حق اہل سنت و جماعت پر استقامت عطا فرما، ہمیں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی عطا فرما، ہمیں اپنا خوف، اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت اور آخرت کی فکر عطا فرما، ہمارے اہل و عیال سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ آمین۔

پھر اگر چاہیں تو مزید دعائیں مانگیں، آخر میں درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لیں۔ مسلمان بعض مواقع پر فاتحہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں مثلاً میلاد شریف، دس محرم الحرام، غوث اعظم کی گیارھویں شریف، خواجہ غریب نواز کی چھٹی شریف، شب برات کا حلوہ، رجب کے کونڈے وغیرہ ان سب کی اصل ایصال ثواب ہے اور یہ سب جائز ہیں۔ (خواتین اور دینی مسائل۔ ص 109,107)

منکرین کے گھر کی گواہی

دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں کہ مولوی عبدالقیوم اور میاں جی محمدی صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ محمد اسحٰق دونوں صاحبان کا معمول تھا کہ سال بھر میں ایک مرتبہ دونوں شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ کے مزارات پر تشریف لے جاتے۔ جا کر فاتحہ پڑھتے اور بعد میں قرآن مجید یا مثنوی شریف کا درس دیتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا پھر اور کچھ تقسیم فرما دیتے۔ (ارواح ثلاثہ مولانا اشرف علی تھانوی ص 42)

تبلیغی جماعت کے راہنما مولوی محمد زکریا سہارنپوری کہتے ہیں کہ ''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک عورت آئی۔ عرض کرنے لگی یا حضرت میری بچی جو فوت ہو گئی میرا دل چاہتا ہے میں خواب میں اس کو ملوں۔ آپ نے فرمایا رات کو عشاء کی نماز

کے بعد چار نفل پڑھنا اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد الھکم التکاثر پڑھنا اور بعد میں لیٹ کر درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جانا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ خواب میں لڑکی کو دیکھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے اور وہ بہت پریشان حال ہے۔ صبح کو وہ عورت پھر جناب حسن بصری کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تو اس کی طرف سے صدقہ کر۔ کچھ روز کے بعد وہ لڑکی جناب حسن بصری کو خواب میں ملی کہ جنت میں سیر کر رہی ہے اور اس کے سر پر نور کا تاج پہنا ہوا ہے۔ عرض کرنے لگی۔ یا حضرت آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ فرمایا نہیں! بولی میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں نے آ کر میرے متعلق بتایا اور آپ نے فرمایا تو اس کی طرف سے صدقہ کر۔ تو پھر جناب حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے جو میں دیکھ رہا ہوں تیری ماں نے تو اس کے خلاف دیکھا تھا۔ تو وہ بولی' وہ بالکل صحیح دیکھا تھا مگر ہمارے قبرستان میں ایک اللہ کے ولی کا گزر ہوا انھوں نے ایک بار حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پر درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب سب قبرستان کے مردوں کو بخشا تو اسی سبب سے ستر ہزار مردے عذاب سے آزاد کر دیے۔ (تبلیغی نصاب فضائل درود شریف حکایت 36 ص 11 مکتبہ اشرفیہ رائیونڈ)

قبروں پر پھولوں کی اصل

بخاری شریف کی حدیث ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایسی دو قبروں کے پاس سے گزرے جن کو عذاب ہو رہا تھا آپ نے ہمیں بتایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ (اے اللہ ہمیں ان دونوں بری خصلتوں سے اپنی پناہ عطا فرما)

پھر حضور ﷺ نے کھجور کی ایک تازہ شاخ لی۔ اس کے دو حصے کیے اور ایک ایک حصہ ان قبروں پر رکھ دیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ

نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا تا کہ قبروں والوں کے عذاب میں تخفیف کی جائے جب تک یہ (شاخیں) خشک نہ ہوں گی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گی اور ان سے عذاب ہٹا رہے گا۔

پتہ چلا کہ سرسبز شاخیں ذکر الٰہی کرتی ہیں اور ذکر الٰہی کے سبب انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور جہاں انوار الٰہی کا نزول ہو وہاں عذاب میں تخفیف فطری امر ہے۔ شاخوں کی طرح تر و تازہ پھول بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں جہاں عذاب میں تخفیف کا سبب بنتے ہیں وہاں نیک اور پارسا لوگوں کے مدارج میں ترقی کا سبب بھی بنتے ہیں اردو کے نامور بھارتی ادیب علامہ ارشد القادری نے ملتان میں منعقدہ انجمن طلباء اسلام کے پنجاب طلباء کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے بڑی خوبصورت بات کہی تھی کہ جب مزار کے اندر بہاریں ہوں تو باہر پھول کھلا ہی کرتے ہیں۔

صحابی رسول حضرت بریدہ اسلمی ؓ نے وقت وصال وصیت فرمائی کہ میری قبر پر بھی ترکھجور کی دو شاخیں لگائی جائیں۔ (شرح الصدور فی شرح القبور جلد 1 حدیث 214) یاد رہے کہ حضرت بریدہ اسلمی ؓ کا وصال حضور انور ﷺ کے وصال شریف کے 53 برس بعد 63 ہجری میں ہوا فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ.........قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا بہت اچھا ہے۔

بزرگوں کے مزار پر چادر پوشی

عوام کی نظر میں بزرگوں کی عزت و تکریم اور ادب و تعظیم کو برقرار رکھنے کے لیے ان کے مزارات پر چادر پوشی کرنا جائز ہے۔ چنانچہ ردالمختار جلد 5 ص 239 میں ہے کہ.........بعض فقہانے پردے اور عمامے اور کپڑے صالحین اور اولیاء کی قبروں پر ڈالنے کو مکروہ کہا۔ فتاویٰ حجتہ میں کہا کہ پردے قبروں پر مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس وقت جب عوام کی نظر میں تعظیم مقصود ہو تا کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانے اور غافل زائر سے طلب ادب و اخلاص منظور ہو' جائز ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

مزاراتِ اولیاء پر حاضری قبولیت دعا کا باعث ہے

اللہ والوں کی قبریں انوار الٰہی کے مراکز ہوتی ہیں یہاں تجلیات الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے اور وہاں مانگی جانے والی دعائیں زیور قبولیت سے آراستہ ہو جاتی ہیں کیونکہ محبوبان بارگاہ کا وسیلہ بھی رب کریم کو بے حد پسند ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ............ ”میرا یہ معمول ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھتا ہوں پھر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرتا ہوں میری دعا (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) مستجاب ہو جاتی ہے اور گوہر مراد پا لیتا ہوں............“ (مقدمہ شامی)

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ............ ”حضرت امام موسیٰ کاظم ؓ کی قبر شریف قبولیت دعا کے سلسلہ میں ”تریاق مجرب“ ہے............“ صاحب تفسیر روح البیان حضرت شاہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ............ ”صالحین کی قبروں کے پاس دعا مانگنا قبولیت کے حوالے سے مجرب ہے............“

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا

شیخ محقق فرماتے ہیں:

”آخر زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے اس لیے مشائخ اور اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت کو دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو۔ خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنان دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں۔ ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیے گئے۔“

(مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) شرح سفر السعادۃ فارسی، ص 272)

عرس

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ”ماثبت من السنۃ“ میں فرماتے ہیں:

”مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیاء کرام بارگاہ عزت اور مقامات قدس میں پہنچتے ہیں اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید کی جاتی ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جنھیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔“ (ماثبت من السنۃ عربی، اردو (طبع لاہور) ص 224)

کیا مردے سنتے ہیں؟

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم قبروں کے قریب سے گزرو تو انھیں مخاطب کر کے سلام کہو۔ گویا وہ جانتے، سنتے، سمجھتے اور جواب دیتے ہیں ورنہ سلام کہنے کا کوئی جواز نہیں۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک قبر سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی وہ صاحب قبر خوب قرات فرما رہے تھے میں نے حضور اکرم ﷺ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندہ ہے کیا تمھیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ارواح کو قبض کر کے یاقوت و زبرجد کی قندیلوں میں رکھ کر جنت کے درمیان آویزاں فرما دیتا ہے اور پھر جب رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو ان کے جسموں میں واپس کر دیتا ہے اور وہ طلوع فجر تک وہاں ہی رہتی ہیں اور پھر صبح ہو جاتی ہے تو انھیں اپنی جگہ واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قبر کے قریب سے گزرے تو وہ صاحب قبر اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے دوسری روایت میں ہے کہ جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور محبت رکھتا ہے اسے قبر میں بھی جانتا ہے اور پہچانتا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں علامہ محمود احمد آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ والحق ان الموتی ایسمعون فی الجملہ.

حق یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بے شک حضور ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت مرحمت فرمائی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”حضرت امام موسیٰ کاظم ؓ کی قبر مبارک قبولیت دعا کے لیے مجرب اور تریاق ہے۔ سبحان اللہ ان کی قبر پر جا کر خدا سے جو مانگو وہ ان کے وسیلہ سے ضرور عطا کرتا ہے اور کوئی دعا مسترد نہیں ہوتی۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر انوار پر چلہ کشی فرمائی تو پھر اعلان کیا کہ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس کے متعلق تذکرہ مشائخ دیوبند کے صفحہ 388 پر مرقوم ہے کہ وہ قیام گنگوہ کے زمانے میں حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب کے مزار پر گھنٹوں مراقب رہتے تھے اور انھیں نفع ہوتا تھا۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر 166 پر فتوی موجود ہے کہ عام مومنین کی قبروں پر جانے سے عبرت اور اعزا و اقارب کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی حاصل ہوتی ہیں۔

میرے اپنے شہر جوہر آباد میں نصرت ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کے سابق ڈائریکٹر الحاج عنایت علی ملهی قادری نوشاہی حیات برزخی کے متعلق اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے تھے کہ دسمبر 1985ء میں ضلع گجرات کے ایک مرد باخدا (بزرگ) حضرت سخی پیر چیار رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار دریا کے کٹاؤ کی وجہ سے کھولنا پڑا لاکھوں کا اجتماع ہوا مزار کھولا گیا۔ بین الاقوامی میڈیا بھی اس بات پر شاہد ہے کہ وہ بزرگ انتقال کے سینکڑوں سال کے بعد بھی ایسے آرام فرما رہے تھے جیسے ابھی ابھی آنکھیں بند کی ہوں۔

ان کے چہرے پر نور کا جمگھٹا تھا اور لاکھوں لوگ ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ سبحان اللہ۔

مشہور دیوبندی عالم محمد منظور نعمانی نے بعض اصحاب قبور کا تکلم کے عنوان سے ایک مفصل علمی و تحقیقی مقالہ لکھا جو ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ نے اپنی ستمبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں پیش کیا یہ الفرقان کی جلد نمبر ۳۴ اور شمارہ نمبر ۵ تھا۔ آیئے ان کی بات انھی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

”............کئی مہینے سے الفرقان میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات شائع ہو رہے ہیں، اس سلسلہ کی بعض قسطوں میں چند واقعات ایسے بھی مذکور ہوئے ہیں جن میں بعض خواص اصحاب قبور سے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکالمات کا ذکر ہے۔ ناظرین الفرقان میں سے بعض حضرات نے ان واقعات سے اپنے سخت توحش و اضطراب کا اظہار کیا ہے۔ لیکن انہوں نے وضاحت کے ساتھ اس کا سبب نہیں لکھا ہے۔ ہم نے بہتر سمجھا کہ اس بارے میں الفرقان ہی میں کچھ لکھ دیا جائے تاکہ اگر کسی اور کو بھی اس طرح کا خلجان ہو تو وہ بھی رفع ہو جائے۔

جو حضرات حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور اُن کے والدِ ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت اور اُن کے علو مقام سے واقف ہیں اُن کی خدمت میں تو سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں یہ عرض کرنی ہے کہ یہ سب واقعات حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ کی ”انفاس العارفین“ سے ماخوذ ہیں۔ یعنی ان کے اصل راوی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور انہوں نے بلاواسطہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سُن کر یہ واقعات اپنی کتاب میں محفوظ کیے ہیں...... اس لیے جہاں تک ان کی نقل و روایت کا تعلق ہے اس میں کسی شک وشبہ یا کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ ان واقعات کے بارے میں ذہنی خلجان اور توحش کی

وجہ ایک تو یہ ہوسکتی ہے کہ اصحاب قبور سے اس طرح کے مکالمے کی کوئی مثال اور سند قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں ہمیں نہیں ملتی۔ یہ بات بلاشبہ صحیح ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی آیت یا حدیث ایسی بھی ہمارے علم میں نہیں ہے جس سے اس کی قطعاً نفی ہوتی ہو......اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی"......اور......وَمَآاَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ" کے بارے میں جو کچھ لکھا جاچکا ہے وہ اہلِ علم کی نظر میں ہوگا اور ان دونوں آیتوں کا سیاق وسباق خود ہی ان کے معنی متعین کر دیتا ہے۔ تفصیل تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہے)

بہرکیف صورت حال یہ ہے کہ شریعت کے اصل ماخذ قرآن وحدیث اس بارے میں ساکت ہیں۔ اور یہ ہرگز ضروری نہیں کہ جو بات قرآن وحدیث میں بیان نہ کی گئی ہو وہ لازمی طور پر قابل انکار ہی ہو۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ ایک حقیقت بجائے خود صحیح ہو اور وہ خواص اُمت کے تجربہ اور ادراک میں آئے اور قرآن وحدیث میں اس کو اس لیے بیان نہ فرمایا گیا ہو کہ امت کے عوام اور جمہور کے لحاظ سے وہ نازک اور دقیق ہو اور اس سے اُن کے لیے کسی ابتلاء کا خطرہ ہو یا اس طرح کی کسی اور مصلحت سے اس کو قرآن وحدیث میں بیان نہ فرمایا گیا ہو۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حقیقت رُوح پہ کلام کرتے ہوئے اس نکتہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

ولیس کل ماسکت عنہ الشرع لایمکن معرفتہ البتۃ بل کثیراً ما یسکت عنہ لاجل انہ معرفۃ دقیقۃ لایصلح لتعاطیھا جمھور الامۃ وان امکن لبعضھم. (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۸ ج ۱)

اور یہ بات نہیں ہے کہ شریعت میں جس چیز کے بیان سے سکوت کیا گیا ہو اس کی معرفت اور اس کا ادراک کسی کے لیے ممکن ہی نہ ہو بلکہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ کسی حقیقت کو شریعت میں اس لیے بیان نہیں کیا جاتا کہ وہ ایک دقیق اور نازک حقیقت ہوتی ہے جس کے لین دین (افادہ واستفادہ) کی صلاحیت جمہور امت میں نہیں ہوتی (اگرچہ

خواص میں اس کی اہلیت ہوتی ہے اور وہ اس سے مستفید ہوسکتے ہیں)

صوفیاء کرام کے بہت سے معارف اور بہت سے تجربے اسی قبیل سے ہیں۔ ہاں اگر خدانخواستہ ان میں سے کوئی ایسی بات کہے اور ایسی معرفت یا واردات بیان کرے جو قرآن وحدیث اور اُصولِ شریعت کے خلاف ہو تو بلاشبہ اس کا رد وانکار واجب ہوگا، لیکن اگر وہ بات ایسی ہے کہ قرآن وحدیث اس سے صرف ساکت ہیں تو پھر اس کے انکار و ابطال پر زور دینا غلو ہوگا......... زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرے لوگ اس کے تسلیم کرنے کے مکلف نہ ہوں گے...... حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں بعض خواص اصحاب قبور سے مکالمہ، یا بیداری میں حضرت سعدی علیہ الرحمہ سے ملاقات، یا منطق الطیر کے ادراک وغیرہ کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں اُن سب کی نوعیت دراصل یہی ہے۔ اس لیے صرف اس بناء پر ان کا انکار اور ان سے توحش صحیح نہیں کہ قرآن وحدیث میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اموات کے مکالمہ سے انکار کی ایک علمی وجہ خاص کر احناف کے لیے یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ بات اچھی خاصی شہرت پاگئی ہے کہ حنفیہ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ اموات سے مکالمے کا اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ ان کے لیے سماع بلکہ مزید برآں تکلم بھی نہ تسلیم کرلیا جائے۔

اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جن حنفی علماء ومصنفین نے سماع موتی سے انکار کیا ہے ان کو بھی سماع سے مطلق انکار نہیں ہے بلکہ وہ اس میں استثنا کے قائل ہیں، مثلاً وہ مانتے ہیں کہ جب کوئی زائر قبر پر سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اس کا سلام سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے، اسی طرح احادیثِ نبویہ کی روشنی میں انہوں نے اور بھی بعض استثنا نوٹ بیان کیے ہیں...... لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ شہرت ہی ایک غلط فہمی پر مبنی ہے کہ آئمہ حنفیہ سماع موتی کے منکر ہیں...... محققین علماء احناف نے دعویٰ کیا ہے کہ فقہ حنفی کے

آئمہ (اساطین میں سے کسی سے بھی یہ انکار ثابت نہیں ہے(اس موقع پر یہ عاجز اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ اب سے ۲۲۔۲۳ سال پہلے، الفرقان کے پہلے یا دوسرے سال کے کسی شمارہ میں سماع اموات کے بارے میں اس عاجز نے بھی وہی لکھا تھا۔ جس کی نسبت حنفیہ کی طرف مشہور ہوگئی ہے۔ یعنی سماع موتی کا انکار بعد میں وہ معلوم ہوا جو ''فیض الباری'' سے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ اور اب یہ عاجز اسی کو تحقیقی بات سمجھتا ہو۔ واللہ یقول، الحق وھویھدی، السبیل.) امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اَمالی ''فیض الباری علی صحیح بخاری'' میں ہے۔

و فی رسالة غیر مطبوعة لعلی القاری ان احداً من ائمتنالم یذهب الی انکار ها(ای انکار مسلة سماع الاموات) و انما استنبطوها من مسئلة فی باب الایمان......الخ

(ص ۴۶۸......ج۲)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ سماع مَوتی سے انکار آئمہ حنفیہ میں سے کسی کا بھی مسلک نہیں ہے، بلکہ بعض مصنفین نے باب الایمان کے ایک جزئ مسئلہ سے ایسا سمجھا ہے، (اور یہ استنباط اس وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ الخ)

اس کے بعد صاحبِ فتح القدیر ابن ہمام کے رویہ پر گفتگو فرمانے کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اقول، والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر.

اور میں کہتا ہوں کہ مسئلہ سماع موتی کے بارے میں حدیثیں تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ (اس لیے اس کے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے)

اسی طرح فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں ہے۔

ان سماع الموتیٰ ثابت فی الجملة بالاحادیث الکثیرة الصحیحة. (فتح الملهم ص ۴۷۹ ج ۲)

بلاشبہ اموات کا فی الجملہ سماع بہت سی صحیح احادیث سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔

نیز فتح الملہم میں اس موقع پر علامہ آلوسی، بغدادی حنفی کا کلام نقل کیا گیا ہے جس سے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ خاص کر اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ قبر میں تو صرف بے جان اور بے روح لاشہ دفن ہوتا ہے اور وہ بھی عام طور سے زیادہ مدت تک صحیح سلامت نہیں رہتا اس سے سماع کا کیا امکان ہے۔ ذیل میں علامہ آلوسی کے اس کلام کا صرف حاصل اور خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔.....فرماتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اموات کے لیے سماع فی الجملہ ثابت ہے اور اس کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنی خاص قدرت سے جسم میت کے کسی حصہ میں (جو قبر میں مدفون ہے) سننے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے وہ زائرین کا سلام اور اس کے علاوہ جو بھی اللہ تعالیٰ اس کو سنوانا چاہتا ہے سنتا ہے، اور یہ بات کہ وہ میت پچاسوں من مٹی کے نیچے مدفون ہے (اور آواز پہنچنے کے لیے کوئی منفذ بھی نہیں) اور اس کا جسمانی نظام ختم ہو چکا ہے اور اس کے جوڑ بند الگ الگ ہو چکے ہیں اس سماع میں مانع نہیں ہوتی (کیونکہ اس سماع بعد الموت کا قانون حیاتِ دنیا کے سماع کے قانون سے مختلف ہے)

دوسری توجیہہ اموات کے سماع کی یہ ہوسکتی ہے کہ سماع براہِ راست میت کی روح کو ہوتا ہے اور میت کے جسم اور اس کے کسی عضو کا اصالۃً اس سماع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن چونکہ میت کے بدن یا اس کے کسی خاص جز کے ساتھ اس کی رُوح کا کسی قسم کا تعلق ضرور رہتا ہے جو نوعیت میں حیات دنیا والے جسم و رُوح کے تعلق سے مختلف ہوتا ہے اور اس کی حقیقت اور نوعیت بس اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس لئے جب کوئی آدمی صاحب قبر کی زیارت کو آتا ہے تو اللہ اگر چاہتا ہے تو اس کی رُوح کو اس وقت سننے کی صلاحیت بخش دیتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میت کی رُوح ہر آواز اور ہر بات سُن سکے، اس لیے اموات کا یہ سماع اور اسی طرح ان کے دوسرے احساسات و ادراکات بھی (اس نظام عالم

کے ماوراء) اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہیں...... (آگے علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ) یہی دوسری توجیہ میرے نزدیک راجح ہے۔ (فتح الملہم)

اسی مسئلہ سماع موتی کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحقیق بھی ان کے ایک مکتوب کے حوالہ سے فتح الملہم کی اسی بحث میں نقل کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

مُردوں کا زندوں کی کوئی بات سننا اس طرح نہیں ہے جس طرح ایک زندہ آدمی دوسرے زندہ آدمی کی بات اسباب ظاہرہ عادیہ طبعیہ کے تحت سنتا ہے اور نہ ہم زندوں کو اس کی قدرت ہے کہ اپنی جو بات چاہیں دوسرے عالم میں پہنچ جانے والے کسی مردہ کو سنا سکیں بلکہ اللہ ہی کو یہ قدرت ہے کہ زندوں کی جو بات وہ مردوں کو سنانا چاہے بطور خرقِ عادت کے ان کو سنوادے یا اس کے لیے ایسے اسباب خفیہ کا ایک سلسلہ پیدا فرمادے جن کو ہم نہیں جانتے۔ پھر وہ مردے زندوں کی بات زندوں کی طرح سنیں یا زندوں سے بھی زیادہ سنیں......(اس وضاحت کے بعد مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) غالباً اسی نکتہ کی وجہ سے قرآن مجید میں بندوں سے اِسماع یعنی سنوانے کی نفی کی گئی ہو (یعنی فرمایا گیا ہے کہ اے نبی آپ قبروں میں دفن شدہ مردوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتے) مردوں کے سننے کی نفی صراحت کے ساتھ کہیں نہیں فرمائی گئی۔ (فتح الملہم)

امید ہے کہ اکابر علماء احناف کی ان توضیحات اور تصریحات سے مسئلہ سماع موتی کے بارے میں ان کا مسلک معلوم ہونے کے علاوہ بہت سے وہ اشکالات بھی حل ہو جائیں گے جو مسئلہ کی صحیح نوعیت سامنے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس مسئلہ کی بنیاد پر اموات سے مکالمہ کے بارے میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ بھی رفع ہو جائے گا۔

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت سے خرق عادت کے

طور پر زندوں کی بات مردے سُن سکتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کی بات زندے بھی سُن سکتے ہیں، ان دونوں باتوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ فیض الباری میں امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے اسی سماعِ موتی کی بحث میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ان مسئلة كلام المية و سماعه واحدة. (فیض الباری ص ۴۶۸ ج ۲)

میت کا کسی زندہ سے بات کرنا یا کسی زندہ کی بات سننا دونوں مسئلے ایک ہی ہیں۔

آخر میں ہم شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بے نظیر تصنیف ”کتاب الرُّوح“ سے چند اقتباس نقل کرتے ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ ان سے اصل زیر بحث مسئلہ پر اچھی روشنی پڑے گی۔

افتتاحی خطبہ کے بعد کتاب کا آغاز اس سوال سے ہوتا ہے کہ...... ”جو زندہ لوگ مردوں کی زیارت کو آتے اور سلام کرتے ہیں مردوں کو ان کے آنے اور سلام کرنے کی خبر ہوتی ہے یا نہیں اور وہ ان کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور اس کے ثبوت میں پہلے چند حدیثوں کا حوالہ دیا ہے جن میں بتایا گیا ہو کہ جب کوئی شخص کسی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو مردہ سلام سنتا ہے، جواب دیتا ہے اور پہچانتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

والسلف مجمعون على هذا و قد تواترت الآثار عنهم بان الميت يعرف زيارة الحيّ و يستبشر به.

اور سلف کا اس پر اجماع ہے اور اس بارے میں ان کے آثار حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں کہ میت کو زندوں کی زیارت کی خبر ہوتی ہے اور ان کی اس سے مسرت اور خوشی ہوتی ہے۔

اس کے بعد ابن ابی الدنیا کی تخریج سے متعدد حدیثیں اور متعدد آثار و واقعات

اس کے ثبوت میں نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ویکفی فی ھذا تسمیة المسلّم علیھم زائراً ولولاانھم یشعرون به لما صحح تسمیة زائراً فان المزور ان لم یعلم بزیارة من زارہ لم یصح ان یقال زارہ ھذا ھو المعقول من الزیارة عند جمیع الاُمم و کذالک والسلام علیھم ایضاً فَاِن السلام علیٰ من لایشعر ولایعلم بالمسلّم محال و قد علمّ النبِی صلی الله علیه والہٖ وسلم امته اذا زار و القبور ان یقولوا سلام علیکم اھل الدیارمن المومنین والمسلمین و انا انشاء الله بکم لاحقوق یرحم اللّٰه المستقدمین منا و منکم و المستاخرین نسأل الله لنا و لکم العافیة و ھذا السّلام و الخطاب و النداء لموجود یسمع و یخاطب و یعقل و یرد وان لم یسمع المسلم الرّدّ.

اور قبر پر سلام کرنے والے کو عرف شریعت میں زائر (یعنی ملاقات کرنے والا) کہا جانا بجائے خود اس کا کافی ثبوت ہے۔ اور اگر ایسی بات ہوتی کہ قبر والوں کو اس سلام کرنے والے زائر کی خبر ہی نہ ہوتی تو اس کو زائر (ملاقات کرنے والا) کہنا ہرگز صحیح نہ ہوتا، کیونکہ جب صورت ایسی ہو کہ ملاقات کرنے والے کے آنے کی خبر بھی اس کو نہ ہو جس سے ملاقات کے لیے وہ آیا ہے تو یہ کہنا قطعاً صحیح نہ ہوگا کہ اس نے اس کی زیارت یعنی اس سے ملاقات کی۔ دنیا کی ساری قوموں کا یہی عرف ہے اور یہی ان کے نزدیک عقل کے مطابق ہے۔

اسی طرح شریعت میں اصحابِ قبور کو سلام کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی اس بات کی مستقل دلیل ہے کہ قبروں والے سلام کو سنتے سمجھتے ہیں کیونکہ کسی ایسی چیز کو جو شعور سے بالکل خالی ہو سلام کرنا اور السلام علیکم سے اس کو مخاطب کرنا بالکل خلاف عقل بات ہے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی تعلیم دی ہے کہ جب وہ قبور کی زیارت کریں تو کہیں...... "**السلام علیکم اھل الدیار من المومنین و المسلمین الخ**" (یعنی سلام ہو تم پر اِن گھروں کے رہنے والے مومنو اور مسلمو، اور ایک دن ہم بھی تم سے آملیں گے، اللہ کی رحمت ہو ہم تم میں سے آگے جانے والوں پر اور بعد میں پہنچنے والوں پر۔ ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے خیر و عافیت کی دعا کرتے ہیں۔"

اور ظاہر ہے کہ اس طرح یہ سلام کرنا اور مخاطب کرنا اور پکارنا کسی ایسی ہستی ہی کو ہوسکتا ہے جو سنتی ہو اور سمجھتی ہو اور لائق خطاب ہو اور جواب دیتی ہو۔ اگرچہ سلام کرنے والا اس کا جواب نہ سن سکے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

واذاصلی الرّجل قریباً منھم شاھدوہ و علموا صلوٰته و غبطوہ علیٰ ذالک.

اور جب کوئی آدمی ان مردوں کے قریب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کو دیکھتے ہیں اور ان کو اسکی نماز کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ اس پر رشک کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس سلسلے کے بعض واقعات بھی نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک واقعہ ابن ابی الدنیا کی روایت سے سند کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ

"مشہور تابعی ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ کی طرف آیا، ایک منزل پر میں نے قیام کیا وہاں میں نے رات کو وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں، وہاں ایک قبر بھی تھی میں اسی پر سر رکھ کے سو گیا، پھر میری آنکھ کھل گئی تو صاحب قبر نے شکایت کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ تم نے آج رات مجھے ایذا پہنچائی (یعنی تمہارا سر رکھ کے سونا میری ایذا کا باعث ہوا) پھر اسی صاحب قبر نے کہا کہ تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو اور (اس کے نتیجہ کا) علم تم کو نہیں ہے اور ہم مردوں کو علم ہوگیا ہے مگر افسوس ہم عمل نہیں کر سکتے۔ پھر کہا کہ جو دو رکعتیں تم نے اس وقت پڑھیں وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے زندہ لوگوں کو

اُن کے اعمال کو بہتر جزا دے، میری طرف سے ان کو سلام پہنچاؤ ان کی دعاؤں سے ہم مردوں کو پہاڑوں کی عظیم مقدار میں انوار ملتے ہیں۔"

اس واقعہ میں صاحبِ قبر نے ابوقلابہ سے بیداری کی حالت میں کلام کیا ہے اور ان کے عمل پر اپنے رشک کا اظہار کیا ہے۔

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو اور دو تین واقعات نقل کیے ہیں وہ بیداری کی حالت کے نہیں ہیں بلکہ رویائے حق کے قبیل سے ہیں، ان میں آخری واقعہ مشہور جلیل القدر تابعی مطرف بن عبداللہ الخرشی کا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ جمعہ کے دن میں ایک قبرستان کے پاس سے گزرا میں نے دیکھا کہ وہاں ایک جنازہ آیا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ موقع غنیمت ہے اس جنازہ میں بھی شرکت کرلوں، چنانچہ میں اس ارادے سے قبرستان میں آ گیا، پھر میں لوگوں کے پاس سے ہٹ کر ایک طرف آلیا اور وہاں میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور بالا رادہ ہلکی اور مختصر پڑھی اس کے بعد مجھے کچھ اونگھ سی آ گئی، یہاں ایک قبر تھی، میں نے دیکھا کہ صاحبِ قبر مجھ سے کہہ رہا ہے تم نے یہ دو رکعتیں زیادہ اچھی طرح نہیں پڑھیں۔ میں نے کہا ہاں بیشک ایسا ہی ہوا ہے۔ اس صاحبِ قبر نے فرمایا "تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو لیکن تم کو علم نہیں ہے (یعنی اعمال کے ثواب وعذاب کے بارے میں وہ علم نہیں ہے جو مرنے کے بعد ہم کو حاصل ہو گیا ہے) اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم یہاں کوئی عمل نہیں کرسکتے (بس تم لوگوں پر رشک کرتے ہیں) بخدا اگر مجھے یہاں ایسی ہلکی اور مختصر ہی دو رکعتیں پڑھنے کا موقع دے دیا جائے جیسی تم نے پڑھی ہیں تو میرے لیے یہ دو رکعتیں پوری دُنیا اور اس کے سارے ساز وسامان سے بہتر ہوں گی۔ (مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ) اس کے بعد میں نے اس صاحبِ قبر سے پوچھا کہ یہاں کس قسم کے لوگ مدفون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ خدا کے فضل سے سب مسلمین ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ کا فضل نصیب ہے۔ میں نے کہا اچھا یہ بتائیے کہ یہاں

کے مدفونوں میں سب سے افضل کون ہے؟ انہوں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہیں، میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس قبر والے اپنے بندہ کو میرے لیے باہر نکال دے تاکہ میں اس سے کچھ باتیں کرسکوں، تو اس قبر سے ایک جوان نکل کر میرے سامنے آ گیا، میں نے اس سے کہا آپ یہاں والوں میں سب سے افضل ہیں؟ اُس نے کہا یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں، میں نے کہا اس چھوٹی سی عمر میں آپ کو یہ بلند مقام کیونکر حاصل ہوا؟ کیا حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال کی کثرت ہے؟ انہوں نے کہا میرا معاملہ یہ ہے کہ مجھے دنیوی زندگی میں مصائب اور تکالیف کا بہت سامنا ہوا اور مجھے ان پر صبر کی توفیق ملی، پس اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل وکرم اسی کا صلہ ہے۔"

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اگرچہ خواب کے مجرد یہ دو چار واقعے ہمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہیں لیکن جب یہ بات سامنے رکھی جائے کہ اللہ کے صالح بندوں کے اس طرح کے خواب کے واقعات بے گنتی اور بے شمار ہیں (اور بطور قدر مشترک کے وہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قبر میں مدفون مردے بھی اللہ کی مشیت سے زائرین کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان کی باتیں سنتے اور ان سے باتیں کرتے ہیں) تو پھر یہ خواب بھی اس حقیقت کے ثبوت کی ایک دلیل بن جاتے ہیں..... (اس کی نظیر بلکہ سند یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ متعدد صحابہ کرام نے خواب دیکھا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے تو) حضور نے فرمایا۔

اری رؤیا کم قد تواطات علی انھا فی العشر الاواخر

میں دیکھتا ہوں کہ تم سب کے خواب اس پر متفق ہیں کہ شب قدر آخری دس راتوں میں سے کسی رات میں ہے تو تم اپنی راتوں میں اس کو تلاش کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کے صاحب ایمان بندوں کے خواب کسی بات پر

متفق ہو جائیں تو اس کی کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کہ ان کی نقل و روایت یا ان کی آراء کا اتفاق کسی بات پر ہو جائے (پس جس طرح اہلِ ایمان کی روایات اور ان کی آراء کا اتفاق ایک باوزن دلیل ہے اسی طرح ان کے خوابوں کا اتفاق بھی ایک دلیل ہے...... علاوہ بریں ہماری دلیل صرف اس طرح کے خواب ہی نہیں ہیں بلکہ ہمارے اصل دلائل وہ روایات ہیں جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۱۔۱۴)

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں عہدِ صحابہ کے بعض ایسے واقعات بھی نقل کیے ہیں جن میں ایک صحابی نے اپنی وفات کے بعد اپنے کسی زندہ ساتھی کو خواب میں کوئی اطلاع دی اور اس کی بنا پر اہم قانونی فیصلے کیے گئے۔ ان میں ایک عجیب وغریب واقعہ صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہما کا ہے۔

ان دونوں کے درمیان عہد مواخات (یعنی بھائی چارہ کا معاہدہ) ہوا تھا، ان میں سے صعب بن جثامہ کا انتقال ہوگیا، عوف بن مالک نے ان کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے (چند دوسری باتوں کے علاوہ) عوف کو یہ بھی بتایا کہ ''میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لیے تھے اور وہ میرے ہاں ''قرن'' (سینگ) میں رکھے ہوئے ہیں وہ اُس یہودی کو دے دیئے جائیں۔''

عوف کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں نے دل میں کہا کہ اس خواب میں تو بڑی تعلیم اور بڑا پیغام ہے۔ میں عوف کے گھر آیا، سب سے پہلے میں نے ''قرن'' اتروایا اور جو کچھ اس میں تھا اس کو نکالا تو اس میں وہ تھیلی نکلی جس میں دینار محفوظ تھے، میں وہ دینار لے کر اس یہودی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا صعب پر تمہارا کچھ قرضہ تھا۔ اس نے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بہت اچھے صحابی تھے جو کچھ تھا وہ میں نے ان کو چھوڑ دیا (یعنی میرا اب کوئی مطالبہ نہیں ہے) عوف کہتے ہیں کہ میں نے اس یہودی سے کہا کہ تمہیں بتانا پڑے گا کہ تمہارا کچھ قرض تھا یا نہیں، تو اس نے کہا کہ ہاں انہوں نے دس دینار قرض

لیے تھے۔ عوف کہتے ہیں میں نے وہ دینار جو قرن سے نکلوائے تھے وہ اس کے سامنے ڈال دیے تو اس نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم یہ تو بعینہٖ میرے والے دینار ہیں۔

(کتاب الروح ص ۱۹ مختصراً و ملخصاً)

بہر حال عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے وہ دس دینار حضرت صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خواب والے بیان ہی کی بنا پر اُس یہودی کو دے دیے۔ حالانکہ اس کے قرضہ کا کوئی اور قانونی ثبوت موجود نہیں تھا اور اگر صعب کے اس خواب والے بیان کو نظر انداز کر دیا جائے تو بظاہر وہ ان کے یتیم بچوں اور دوسرے شرعی وارثوں کی ملکیت تھے اور بلاثبوت کے ایک یہودی کو اُن کا دے دینا ہرگز جائز نہیں تھا۔ لیکن عوف بن مالک رضی اللہ عنہما اور حضرت صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والوں کو غالباً کچھ قرائن کی مدد سے حضرت صعب کے خواب والے بیان کا ایسا یقین ہوگیا کہ اُنہوں نے ان دیناروں کے یہودی کو دینے کا فیصلہ کرلیا۔

اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا ہے جس کو ابوعمرو ابن عبدالبر نے سند کے ساتھ ان کی صاحبزادی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اس کا بھی یہاں صرف وہ حصہ درج کیا جاتا ہے جو زیر بحث موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ معرکۂ یمامہ میں شہید ہوئے (یعنی اس جنگ میں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں لڑی گئی) جس وقت وہ شہید ہوئے تو اُن کے جسم پر ایک بہت نفیس اور قیمتی زرہ تھی۔ مسلمانوں ہی کے لشکر میں اس کا ایک آدمی اُن کے پاس سے گزرا تو اس نے اُن کی وہ زرہ اتار کے اپنے قبضہ میں کر لی۔ لشکر کے ایک مجاہد نے ثابت بن قیس کو خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ تم یہ خیال کر کے کہ یہ ایک بے حقیقت خواب ہے اس کو ضائع کردو، مجھے کہنا یہ ہے کہ میں کل

شہید کر دیا گیا ہوں اور مسلمانوں ہی میں سے ایک شخص نے میری زرہ لے لی ہے اور اس کا خیمہ بالکل آخری کنارہ پر ہے اور ایک پہچان یہ ہے کہ اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا ہے جو بہت اُچھلتا کودتا ہے۔ اس نے میری زرہ کو اس طرح چھپایا ہے کہ اس کے اوپر ایک بڑی ہانڈی اُلٹ دی ہے اور اس کے اوپر کجاوہ ہے، تم خالد بن ولید سے کہو کہ وہ کسی کو بھیج کر اس سے میری زرہ حاصل کریں...... اور جب تم مدینہ پہنچو تو خلیفۃُ الرسول ابوبکر صدیقؓ سے عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا اتنا قرض ہے، اور میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں آزاد ہیں (یعنی میں ان کو آزاد کرتا ہوں)...... چنانچہ یہ صاحب جن کو ثابت بن قیس نے خواب میں یہ وصیت کی تھی حضرت خالد کے پاس آئے اور ان سے زرہ والی بات کہی، انہوں نے آدمی بھیج کر خواب کی نشاندہی کے مطابق وہ زرہ حاصل کرلی اور جب یہ صاحب مدینہ پہنچے تو حضرت ابوبکر کو حضرت ثابت کا خواب والا پیغام پہنچایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی وصیت کے نفاذ کا حکم دیا۔"

(اس واقعہ کو اس پوری تفصیل کے ساتھ حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں طبرانی کی تخریج سے حضرت انس کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔ (الاصابہ ص ۲۰۳ ج ۱)

ابو عمرو بن عبدالبر اس واقعہ کو روایت کر کے کہتے ہیں کہ ہمارے علم میں نہیں کہ ثابت بن قیس کے علاوہ کسی اور کی موت کے بعد کی وصیت نافذ کی گئی ہو۔

(کتاب الروح ص ۲۱)

حضرت ثابت بن قیس اور حضرت صعب بن جثامہ کے ان دونوں واقعوں کے بارے میں جو فقہی اور قانونی سوالات اٹھتے ہیں شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی بحث کی ہے اور ان سب کا بھی جواب دیا ہے لیکن وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں...... ہمارا مقصد تو ان سب واقعات کے یہاں نقل کرنے سے صرف یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِذن اور اس کی مشیت سے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرنے اور مدفون ہونے کے

بعد اللہ کا کوئی بندہ خواب میں یا کبھی شاذ و نادر بیداری میں کسی زندہ صاحبِ روحانیت سے کوئی بات کہے۔ اس لیے حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضرت شاہ ولی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نقل کیے ہوئے ان واقعات سے توحش و اضطراب کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے...... یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اولیاء اللہ کے تذکروں میں تو اس طرح کے واقعات بیشمار ہیں، ہم نے یہ دوچار واقعے صحابہ اور تابعین کے صرف "کتاب الروح" سے نقل کیے ہیں، جو حضرات شیخ ابن القیم کے مسلک اور اُن کی علمی و تحقیقی خصوصیات سے واقف ہیں امید ہے کہ ان کے ذہنوں میں اگر کچھ الجھنیں اس سلسلہ میں ہوں گی تو وہ ختم ہوجائیں گی۔

اس سلسلہ میں ایک نکتہ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ نیند کی حالت میں چونکہ ہمارے احساسات اور ادراکات کا تعلق اس عالم سے منقطع ہو جاتا ہے اس لیے دوسرے عالم والوں سے رابطہ قائم ہونے کا اور ان کی باتیں سننے کا امکان زیادہ پیدا ہوجاتا ہے، اسی لیے خواب کے ایسے واقعات پر کسی کو بھی تعجب اور توحش نہیں ہوتا۔ پس سمجھنا چاہئے کہ بیداری کی حالت میں اس طرح کا معاملہ العموم ایسے ہی حضرات کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے گرد و پیش کی دنیا سے منقطع زیادہ رہتے ہیں اور خاص کر ایسے ہی اوقات میں ہوتا ہے جبکہ وہ ہماری اس دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں دوسرے عالم والوں سے ان کی روحانیت کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ خواب والوں ہی کی طرح ان کی باتیں سنتے اوران سے باتیں کرتے ہیں۔ بہرحال ان کی اس وقت کی خاص حالت اور خواب کی حالت میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ اسی لیے دوسرے عالم والوں کی جو بات وہ اس حالت میں سنتے ہیں اس کو ان کے برابر بیٹھا ہوا دوسرا آدمی نہیں سنتا جس طرح کہ خواب کی بات دوسرا برابر والا نہیں سنتا اور نہیں جانتا۔ امید ہے کہ اس نکتہ پر غور کرنے سے مسئلہ کی حقیقت سمجھنا اور زیادہ آسان ہو جائے گا۔

یہ مضمون لکھ کر ختم کیا جاچکا تھا اس کے بعد یاد آیا کہ عہد صحابہ میں موت کے بعد
کلام کرنے کا سب سے زیادہ اہم اور مشہور و مستند واقعہ تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
کا ہے، یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان
کا وصال ہوا، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ
تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتظار ہونے لگا۔ تو میں
نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفہ میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں ایک طرف
کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا، دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازہ
سے آواز آئی...... "السلام علیکم اَنْصِتُوْ اَنْصِتُوْا" (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس
کے بعد مرحوم حضرت زید نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور
حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے بارے میں شہادت دی اور اُن کے کچھ
اوصاف بیان فرمائے اور آخر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک پیشن
گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

حضرت زید بن حارثہ کے بعد الموت تَکَلُّم کا یہ واقعہ اور اُن کا وہ پورا کلام
قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابۂ کرام کے احوال میں لکھی گئی ہیں
اور آئمہ حدیث و روایت نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تک نے
اس کو ذکر کیا ہے کمافی الاصابہ۔

سیدنا بلال ؓ مزار مصطفیٰ ﷺ پر

جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم ؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا اور پھر
واپس جانے لگے تو جابیہ کے مقام پر حضرت سیدنا بلال حبشی ؓ نے عرض کیا مجھے شام ہی
میں رہنے دیا جائے حضرت عمر ؓ نے اجازت دے دی لیکن حضرت بلال ؓ نے اسی
شب خواب میں رحمت عالم ﷺ کی زیارت کی سرکار دو جہاں ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو

مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ اے بلال! یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تو
میری زیارت کو آئے؟ یہ خواب دیکھ کر حضرت بلال ؓ بہت غمزدہ اور افسردہ ہوئے اور
راحلہ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ میں روضہ نبوی ﷺ پر حاضری دی۔ ابو داؤد ابن عساکر اور
صاحب وفا الوفا کہتے ہیں کہ جناب بلال ؓ مزار مصطفیٰ ﷺ پر رو رہے تھے پھر انھوں نے
اپنا چہرہ قبر انور سے مس کیا اور مزار کی پرنور مٹی منہ پر ملنے لگے اسی اثناء میں حضرت امام
حسن مجتبیٰ ؓ کو لپک کر دونوں شہزادوں کو گلے سے لگا لیا اور انھیں پیار کرنے لگے انھیں
بوسے دیتے رہے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کو "خواب و خیال"
نہیں سمجھتے تھے اور خواب میں بھی فرمان رسول ﷺ کو "امر" یقین کرتے تھے۔ نیز یہ بھی
ثابت ہوا کہ روضہ اطہر کی نیت سے سفر کرنا' حاضری دینا' مزار و بوسہ دینا' صحابہ کرام کا
طریقہ تھا اور یہ کہ اس کا انکار عقائد صحابہ سے انحراف کے مترادف ہے خدا کے حضور دعا گو
ہوں کہ اے کریم و کارساز و بے نیاز ذات اپنے حبیب پاک سیدنا مصطفیٰ کریم ﷺ کے طفیل
ہمارے احوال پر خصوصی فضل واحسان فرمائے۔ بدعقیدگی اور نفرتوں کے اس دور میں ہمیں اپنی
پناہ نصیب فرمائے اور صراط مستقیم پر استقامت عطا کرے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ایصال ثواب اور گیارہویں شریف

عہد حاضر کے نامور محقق اور بیسیوں کتب کے مصنف محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری "ایصالِ ثواب اور گیارھویں شریف" کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

"......اسلام میں ایصالِ ثواب ایک مستحسن چیز ہے۔ ایصالِ ثواب کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے کسی نیک عمل کے ثواب میں کسی دوسرے مسلمان بھائی کو بھی شریک کر لے۔ قرآن وسنت میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ نیک عمل کے ثواب میں بھی ایثار سے کام لیں۔ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی ان الفاظ کے ساتھ تعریف کی گئی:

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ.

(نیک بندوں میں یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ) یہ دعاء کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے سابقہ تمام مسلمانوں کو معاف فرما۔

بلکہ قرآن مجید نے درج ذیل دعا کی تلقین بھی کی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابِ.

اے اللہ! مجھے، میرے والدین اور تمام مسلمانوں کو قیامت کے دن معاف فرما۔

فقط اپنے لیے دعاء کرنا اور دوسروں کو شامل نہ کرنا بخل ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام کے سامنے ایک اعرابی نے یوں دعاء کی:

اللّٰهم ارحمنی و محمداً ولا ترحم معنا احداً.

اے اللہ! مجھ پر اور میرے رسول اللہ ﷺ پر رحم فرما ہمارے ساتھ کسی کو شامل نہ فرما۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لقد حجزت واسعاً. (بخاری جلد:۲،ص:۸۸۹)

تو نے اللہ کی وسیع رحمت کو محدود کر دیا۔

یعنی اللہ کی رحمت جس طرح اپنے لیے مانگتے ہو دوسروں کے لیے بھی مانگا کرو۔

یہ بات واضح ہے کہ دعاء عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت کا مغز ہے لیکن اس کے ذریعے بھی اپنے عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ نماز جنازہ بھی دوسرے مسلمانوں کے لیے دعاء ہی کی ایک صورت ہے۔ دعاء کے علاوہ مالی صدقات کا ایصالِ ثواب بھی جائز ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ میں اپنی والدہ کی وفات کے بعد محبوب خدا ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں والدہ کے لیے کیا کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا اس کے لیے ایک پانی کا کنواں کھدوا دو کیونکہ مسلمانوں کو پانی کی اشد ضرورت ہے جب تک لوگ اس کنویں سے پانی پئیں گے تیری والدہ کو ثواب ہوگا۔ آپ نے کنواں کھدوا دیا اور اس کا نام اپنی والدہ کے نام پر رکھ دیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قَال یا رسول اللّٰه ان ام سعدٍ ماتت فای الصدقة افضل؟ قال الماء فحفر بئرا وقال هذهٖ لام سعدٍ (مشکوٰة شریف ۱۶۹)

یا رسول اللہ ﷺ! سعد کی والدہ انتقال کر گئیں تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی! اس پر حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر اپنی والدہ کے نام پر وقف کر دیا۔

یہ روایت ابوداؤد، جلد اول صفحہ ۳۳۶ باب فصل، سقی الماء" کے تحت موجود ہے اور نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

حضور علیہ السلام کا طریقہ مبارکہ تھا کہ آپ ہمیشہ اپنی اُمت کی طرف سے قربانی دیتے اور یہ الفاظ کہتے:

بسم اللّٰه اللّٰه اکبر اللّٰهم هذا عنی و عمن لم یضح من امتی.

(مسند احمد، ترمذی بحوالہ مشکوۃ ص:۱۲۸)

اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں جو بڑا ہے اے اللہ! اس کو میری اور میری اُمت کے اُن لوگوں کی طرف سے قبول فرما جو قربانی دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے:

اللّٰھم تقبل من محمّد و ال محمد و من امة محمد.

(ابوداؤد جلد ۶، ص: ۳۰)

اے اللہ! میری طرف سے، میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما۔

مذکورہ بالا قرآن و سنت کے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اسلام میں ایصال ثواب مطلوب ومحبوب ہے بلکہ رسالت مآب ﷺ کا دائمی عمل ہے۔

حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے مثلاً تلاوتِ قرآن کرنا، صدقات و خیرات کرنا اور غریبوں، مسکینوں کو کھانا کھلانا، عرس کا انعقاد اور آپ کے لیے دعاء کرنا (جسے بعض لوگ گیارھویں کے نام سے تعبیر کرتے ہیں) یہ محض ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے بلکہ آپ کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے لہٰذا جائز اور باعث برکت ہے۔ اس کا انکار مناسب نہیں، بہت سے بزرگانِ دین کا عمل بھی ہے۔

محفلِ گیارھویں اولیاء کا معمول ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یوم وصال اور عرس مبارک پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا وصال شریف ۹ ربیع الآخر کو ہوا:

۱. **فبهذه الرواية يكون عرسه تابع الربيع الأخر و هذا هو**

الذی ادرکنا علیہ سیدنا الشیخ الامام العارف الکامل الشیخ عبدالوهاب القادری المتقی المکی قدس سره فانه کان یحافظ یوم عرسه هذا التاریخ اما اعتمادا علی هذه الروایة او علی ما رای من شیخه الشیخ الکبیر علی المتقی او من غیره من المشائخ رحمهم الله تعالی.

(ماثبت بالسنہ، ۱۲۳، ط ادارہ نعیمیہ لاہور)

اسی روایت کے مطابق (بعض علاقوں میں) آپ کے عرس کی محفل (گیارھویں شریف) ۹ ربیع الثانی کو انعقاد پذیر ہوتی ہے اور ہم (شیخ عبدالحق) نے اپنے استاذ عارفِ کامل شیخ عبدالوہاب المتقی المکی کو ہمیشہ دیکھا کہ وہ اسی ۹ کو ہی آپ کے ایصالِ ثواب کی محفل منعقد کرتے تھے۔ یا تو وہ اس مذکورہ روایت پر اعتماد کرتے تھے جس میں ۹ کو وصال کا تذکرہ ہے یا انہوں نے اپنے استاذ شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر مشائخ کو اسی ۹ کو آپ کے ایصالِ ثواب کی محفل منعقد کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

یعنی شیخ کے اساتذہ ہمیشہ یہ محفل منعقد کیا کرتے تھے اور برصغیر کے بارے میں رقمطراز ہیں:

وقد اشتهر فی دیارنا هذا الیوم الحادی عشر و هو المتعارف عند مشائخنا من اهل الهند من اولاده. (ماثبت بالسنة، ۱۲۴)

ہمارے ہاں ہندوستان میں آپ کا عرس ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو منعقد ہوتا ہے اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو خانوادہ یہاں آ کر آباد ہوا ہے وہ بھی اسی دن آپ کی بارگاہ میں ایصال ثواب کرتے ہیں۔

حضرت ملاجیون صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ''نور الانوار'' کے صاحبزادے ملا محمد بزرگانِ دین کے معمول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دیگر مشائخ کا عرس تو سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے لیکن غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ امتیازی شان ہے کہ بزرگانِ دین آپ کا عرس ہر مہینے کرتے ہیں۔"

(وجیز الصراط:۸۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گیارھویں شریف کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"روضۂ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ را کہ کافی گویند تاریخ یازدہم بادشاہ وغیرہ اکابران شہر جمع گشتہ بعد نماز عصر کلام اللہ وقصائد مدحیہ وآنچہ حضرت غوث در وقت غلبہ حالات فرمودہ اند وشوق انگیز بے مزامیر تا مغرب می خوانند بعد ازاں صاحب سجادہ درمیان وگردا گرد او مریداں نشتہ وصاحب حلقہ استادہ ذکر جہری گویند دریں اثنا بعض را وجد وسوزش ہم می شود باز چیزے از قبیل سابق خواندہ آنچہ تیار می باشد از مثل طعام وشیرینی نیاز کرد تقسیم کردہ نماز عشاء خواندہ رخصت میشوند۔

"گیارہ تاریخ کو بغداد شریف میں بادشاہ اور شہر کے تمام اکابر آپ کے روضہ اقدس پر جمع ہوتے ہیں۔ نماز عصر کے بعد مغرب تک قرآن حکیم کی تلاوت کرتے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں قصادء اور منقبت پڑھتے ہیں مغرب کے بعد صاحب سجادہ درمیان میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور ان کے آس پاس مریدین حلقہ بنا کر ذکر جہر کرتے ہیں اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس کے بعد طعام وشیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہو جاتے ہیں۔"

سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے عرس کی تقریب اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ تعالیٰ کا خواب

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں سے نقل کرتے ہیں:

درمنامی دیدم کہ در صحرائے وسیع چبوترہ است کلاں و اولیاء کرام در آنجا حلقہ مراقبہ دارند و در وسط حلقہ حضرت خواجہ نقشبند دوزانو و حضرت جنید قدس اللہ اسرار ہما بحتی نشستہ اند وآثارِ استغناء از ماسوا و کیفیات حالاتِ فنا سیّد الطائفہ ظاہر است ہمہ کس از آنجا برخاستند گفتم کجامی روند کسی گفت باستقبال امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پس حضرت امیر تشریف فرما شدند شخص گلیم پوش سرو پا برہنہ ژولیدہ ہمراہ حضرت امیر نمودار گشت آنحضرت وستش در دست خود بکمال تواضع و تعظیم گرفتہ اند گفتم ایں کیست؟ کسے گفت خیر التابعین اویس قرنی است آنجا حجرۂ صفا در کمال نورانیت ظاہر شد ہمہ عزیزاں درآں حجرہ آمدند گفتم کجا رفتند کسی گفت امروز عرس حضرت غوث الثقلین است بتقریب عرس تشریف بردن۔

(کلیماتِ طیبات: ص:۷۷، ۷۸، مطبع مجتبائی۔ دہلی)

"میں نے خواب میں ایک خوبصورت چبوترہ دیکھا جس میں بہت اولیاء کرام حلقہ باندھے مراقبہ کی حالت میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے درمیان حضرت خواجہ نقشبندی رضی اللہ عنہ دوزانو اور حضرت جنید تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ماسوی اللہ سے مستغنی ہو کر کیفیات فنا میں ڈوبے ہوئے ہیں اچانک تمام حضرات اٹھے اور چل دیئے میں نے

دریافت کیا تو بتایا گیا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لیے جا رہے ہیں۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے آپ کے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہیں جو گلیم پوش، سر اور پاؤں برہنہ ژولیدہ بال تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نہایت محبت سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ جب میں نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا تو جواب ملا کہ یہ خیر التابعین اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر ایک حجرہ مبارک ظاہر ہوا جو نہایت ہی خوبصورت اور اس پر انوار کی بارش ہو رہی تھی۔ یہ تمام ہستیاں اس حجرے میں تشریف لے گئیں اور مجھے بتلایا گیا کہ آج حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے عرس پاک کی تقریب ہے اس میں یہ تمام بزرگ شریک ہیں۔

محشی نبراس علامہ برخوردار رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

محشی نبراس علامہ برخوار دار برصغیر میں محفل گیارھویں کے معمول کے بارے میں رقمطراز ہیں:

ممالک ہندوستان میں آپ کا عرس ۱۱ ربیع الآخر کو ہوتا ہے اس میں وعظ و نعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کے اس عرس کی تقریب میں ارواح کاملین کی تشریف آوری بھی ہوتی ہے خصوصاً آپ کے جدامجد حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا ابوالائمۃ الاتقیاء بھی تشریف لاتے ہیں۔ کما ثبت عند ارباب المکاشفۃ (سیرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۷۵)

گیارھویں شریف کی ابتداء

اس مبارک تقریب کی ابتداء کے بارے میں امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

”گیارھویں کی اصل یہ تھی کہ حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضور

علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں آپ کے وصال کے چالیس دن بعد ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب کرتے تھے۔ آپ کا یہ ہدیہ بارگاہِ مصطفویہ میں اس طرح مقبول ہوا کہ آپ پھر ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں ہدیہ پیش کرتے۔

آخر رفتہ رفتہ یہی ایصالِ ثواب حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محفل گیارھویں کے نام سے مشہور ہوگیا۔ آج کل لوگ آپ کا عرس بھی گیارہ تاریخ کو ہی کرتے ہیں حالانکہ آپ کا یوم وصال ۱۷ ربیع الآخر ہے۔“ (خلاصۃ المفاخر، ۱۱)

علامہ برخوردار رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سیرتِ غوثِ اعظم کے حاشیہ میں بھی شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہی وجہ لکھی ہے کہ:

”پیرانِ پیر ہر گیارھویں کو حضرت سیّدالانبیاء علیہ السلام کا عرس کیا کرتے تھے اس لیے غوث الاعظم کے شیدائی چونکہ بتقلید واطاعت آنجناب گیارھویں کرتے ہیں۔ چونکہ یہ انتساب بآں عالی جناب تھا فلہٰذا بطریق (تسبیح فاطمہ) گیارھویں پیرانِ پیر مشہور ہوئی۔“ (سیرت غوثِ اعظم، ۲۷۶)

باقی ایصالِ ثواب فقط گناہوں کی بخشش کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ نیک صالح بندوں کے درجات کی بلندی کا سبب بھی بنتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں آیا ہے۔

سیّدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل لیرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ فیقول یارب انّی لی ھذہ؟ فیقول باستغفار ولدک لک۔

(مشکوۃ المصابیح، ۲۰۶)

جب اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک صالح بندے کے درجات میں اضافہ فرماتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کا سبب کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے لیے دعاء کی ہے۔

واضح رہے کہ تلامذہ، مریدین، متوسلین تمام کے تمام روحانی اولاد کا درجہ رکھتے

ہیں۔ رہا تاریخ وغیرہ کا ایسا تعین کہ اسی دن کے علاوہ کسی اور دن کو ایصالِ ثواب جائز ہی نہ سمجھا جائے درست نہیں البتہ کسی دینی حکمت اور مصلحت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بزرگانِ دین کے لیے ایصالِ ثواب کی معین تاریخیں محض عمل میں باقاعدگی اور مداومت پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہے اور مزید یہ کہ ان کی تاریخ وصال میں ان کی ارواح کی خدمت میں ایسے صدقات کا تحفہ بھیجنا زیادہ باعث برکت ہوتا ہے۔

ایصال ثواب پر امام احمد رضاؒ کا فتویٰ

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا محدث بریلوی ؒ سے سوال پوچھا گیا کہ تیجا' دسواں' چالیسواں' ششماہی اور سالانہ (ایصال ثواب) دیار ہند میں جو مروج ہے اسے بعض علماء بدعت قبیحہ اور مکروہ کہتے ہیں اور کئی اقوال اس کی درستی پر دال ہیں عام لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کھانے پکاتے ہیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اسے علماء ظاہر غیر مقلد فاتحہ کی وجہ سے مردار اور حرام جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طریقہ زمانہ نبوی' صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں نہ تھا۔ لہٰذا بزرگان دین کی نیاز (ایصال ثواب) کا طعام اور شیرینی مردار کی طرح ہے۔ لہٰذا شریعت کا جو حکم واجب التعمیل ہو بیان فرمائیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مختصراً اس مسئلے میں حرف آخر یہ ہے کہ ایصال ثواب اور اموات کو ہدیہ اجر پہنچانا تمام اہل سنت و جماعت کے اتفاق سے پسندیدہ اور شریعت میں مستحب ہے حضور سید الابرار ﷺ سے بہت سی حدیثیں اس کار خیر کی تصویب و ترغیب میں وارد ہوئی ہیں۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں اور امام علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نصب الرایہ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الصدور میں علامہ فاضل' ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلک متقسط میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں ان میں سے کچھ احادیث ذکر فرمائی ہیں' بے شک اس کار خیر کا انکار بے وقوف جاہل کر سکتا ہے یا پھر گمراہ اور باطل پرست۔ اس دور کے اہل بدعت (امور خیر کے منکر جن میں خفی طور پر خون اعتزال جوش زن ہے معتزلہ کی نیابت اور وکالت میں ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں اور اہل سنت کے اجماع یقینی کا یکسر انکار کر

دیتے ہیں۔ پھر (یہ بھی پیش نظر رہے) کہ بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے اور اسی کو جمہور آئمہ نے صحیح و معتمد قرار دیا ہے کہ ثواب کا پہنچنا عبادات مالیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عبادات مالیہ اور بدنیہ دونوں کو شامل ہے۔ یہی آئمہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ بہت سے شافعی محقق اسی کے قائل ہیں اسی پر اکثر علماء ہیں اور یہی صحیح اور راجح و منظور ہے پھر (یہ بھی تو دیکھیے) کہ قرآن مجید کو پڑھنا اور صدقہ کرنا اور ان دونوں کا ثواب مسلمانوں کو پہنچانا اس میں یہی تو ہے کہ ایک اچھے کام کو دوسرے اچھے کام سے اور ایک مستحب کو دوسرے مستحب سے جمع کر دیا گیا ہے اور ہرگز ان میں سے ایک دوسرے کے منافی نہیں جیسے کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اور شریعت نے ان دونوں کے جمع کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ رکوع وسجود میں قرآن مجید پڑھنے سے لہٰذا ان (دو اچھے کاموں کے جمع کرنے) کو ممنوع کہنا دائرہ عقل و خرد سے باہر جانے کے برابر ہے امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ "جب ایک کام حرام نہیں تو مجموعہ کیوں حرام ہوگا" اسی میں ہے کہ "چند مباح جمع ہو جائیں تو مجموعہ بھی مباح رہے گا"

حضرت مولانا نقی علی خان کا موقف

اس نفیس قاعدے کی تحقیق امام المدققین خاتم المحققین حضرت والد مولانا نقی علی خاں صاحب قدس سرہ نے کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں فرمائی ہے اور یہ مطلب صحیح حدیثوں سے استنباط فرمایا ہے جو چاہے اس کے مطالعے کا شرف حاصل کرے۔

تعزیتی دعا کے مخالفین اور ان کے اکابرین

خود منع کرنے والے فرقہ کے امام اوّل مولوی اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک کلام مجید اور طعام کے اجتماع کی خوبی مقبول و مسلم ہے صراط مستقیم میں اس طرح راہ تسلیم و اعتراف پر چلتے ہیں۔ "جب میت کو نفع پہنچانا ہی مقصود ہے تو کھانا کھلانے پر توقف نہیں ہونا چاہیے اگر میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ سورۂ فاتحہ اور اخلاص کا ثواب نہایت بہتر ہے" اس میں شک نہیں

کہ ایصال ثواب کا طریقہ رب الارباب جل وعلا کے دربار میں دعا ہی ہے۔ امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) صراط مستقیم میں لکھتے ہیں "مسلمان جو عبادت ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی روح کو پہنچا دے اور ثواب پہنچانے کا طریقہ جناب الٰہی میں دعائے خیر ہے یہ بھی یقیناً بہتر اور خوب ہے اور ہاتھوں کا اٹھانا مطلق دعا کے آداب سے ہے حصن حصین میں ہے۔ "آداب الدعاء منها بسط اليدين تمس ورفعها" یعنی صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا آداب دعا سے ہے۔ ہمارے آئمہ وعلماء کا کیا پوچھتے ہو خود طائفہ منکرین کا امام ثانی (مولوی محمد اسحٰق) "مسائل اربعین" میں کہتا ہے کہ تعزیت کے وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں مطلقاً دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہے لہٰذا اس وقت بھی مضائقہ نہ ہو گا لیکن بالخصوص تعزیت کے وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے۔ دیکھیے بالخصوص تعزیت کے وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کو غیر منقول کہا لیکن مطلق و دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حدیث سے جواز کی تائید کی اور کہا کہ اس طرح کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

الحاصل ان امور سے ہرگز کوئی ایسا امر نہیں جو شریعت مطہرہ میں ناپسندیدہ ہو محض کسی امر کے خصوصی طور پر (حدیث شریف میں) وارد ہونے کو مطلقاً ممنوع ہونے کی دلیل جاننا واضح غلطی اور جہالت ہے فقیر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بفضلہ تعالیٰ اس بحث کو مجموعہ مبارک "البارقة الشارقة علی مارقة المشارقة" میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علمائے اہل سنت نے ان دعویداروں کو بارہا گھر تک پہنچایا اور خاک ذلت پر بٹھایا ہے تفصیل اور طوالت کی ضرورت نہیں لیکن............ امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) نے عدم ورود کو تسلیم کرنے کے باوجود اس مسئلے میں جو کچھ کہا ہے سننے سے تعلق رکھتا ہے رسالہ مطبوعہ زبدۃ النصائح میں تقریر ذبیحہ میں کہتے ہیں "کنواں کھودنے اور ایسی ہی دوسری چیزوں اور دعا و استغفار و قربانی کے علاوہ قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانے

کے تمام طریقے بدعت ہیں گویا بالخصوص بدعت حسنہ ہیں جیسے عید کے دن معانقہ کرنا اور صبح یا عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اھ" طائفہ (منکرین) کو اپنے امام سے پوچھنا چاہیے کہ آپ ان طریقوں کو عموماً اور فاتحہ خوانی کو خصوصاً بدعت جاننے کے باوجود "حسنہ" کس طرح کہتے ہو اور طائفہ وہابیہ کے خلاف راستہ کیسے اختیار کرتے ہو پھر عید کے دن معانقے کا ذکر تو اور بھی دشوار ہے ہاں اس امام کی تلون مزاجی کی وجہ ہی سے ان کے متبعین کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور معلم ثانی (وہابیہ) کا کلام ابھی گزرا ہے کہ اس نے خصوصیت کے وارد نہ ہونے کے باوجود مضائقہ نہ جانا۔

ایصال ثواب کا صحیح تصور

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں۔ "ایضاً پرسیدہ بودند کہ ختم کلام اللہ کردن نماز نفل گزاردن و تسبیح و تہلیل کردن و ثواب آں را بوالدین یا باستاد یا باخوان دادند بہتر ست یا بکسے ندادن بہتر بدانند کہ دادن بہتر ست کہ ہم نفع بغیر ست و ہم نفع بخود و در نادادن نفع مخصوص بخود ست، و نیز شاید بہ طفیل دیگراں آں عمل را قبول فرمانید والسلام۔" (دفتر دوم، حصہ ہفتم، ص ۸۷، مکتوب ۷۷)

ترجمہ: "نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ ختم اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا نہیں، واضح ہو کہ بارگاہِ الٰہی میں بخشنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور ان کا بھی اور عجب نہیں کہ یہ عمل صالح دوسروں کے طفیل ہی قبول ہو جائے۔

ایصال ثواب کا مجددی طریق

"پیش ازیں بہ چند سال واب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام پخت مخصوص بروحانیات مطہر اہل عبا می ساخت وباں سرور حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرت امین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات شبے در خوب می بیند کہ آں سرور حاضرست علیہ و علی آلہ الصلوۃ

والسلام، فقیر برایشاں عرض سلام می کند متوجہ فقیر نمی شوند رو بجانب دیگر دارند دریں اثنا بہ فقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ میخورم ہر کہ مرا طعام فرستد در خانہ عائشہ فرستد ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہل بیت اند شریک می ساخت و بہ جمیع اہل بیت توسل می نمود۔"

(دفتر دوم، حصہ ششم، ص ۸۵، مکتوب ۳۶)

ترجمہ: "چند سال فقیر کا یہ طریق تھا کہ للہ طعام پکاتا اور اس کا ثواب اہل بیت کی ارواح پاک کو نذر کر دیا کرتا، جس میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شامل کر لیتا۔ ایک رات فقیر نے عالم خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام نیاز عرض کیا تو حضور ﷺ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے، بلکہ چہرہ مبارک پھیر لیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں، جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بھیجا کرے۔ اس طرح سے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ کی توجہ نہ فرمانے کا باعث یہ تھا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلکہ تمام امہات المومنین کو جو اہل بیت میں ہیں، شریک کر لیتا اور تمام اہل بیت کو اپنے لیے وسیلہ بناتا۔"

امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ، سیدنا غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

"اماں آں قدر خوارق کہ از حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ ظاہر گشتہ است از ہیچ کدام آنہا ظہور نیافتہ آخر الامر حضرت حق سبحانہ سرایں معمہ را ظاہر ساخت و معلوم فرمود کہ عروج ایشاں از اکثر بلند تر واقع شدہ است و در جناب نزول تا مقام روح فرود آمدہ اند کہ از عالم اسباب بلند تر است۔" (دفتر اول، حصہ سوم، ص ۱۲۰، مکتوب ۲۱۶)

ترجمہ: "مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ سے ظاہر

ہوئے ہیں ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ آخرکار حق تعالیٰ نے اس معمہ کا بھید ظاہر کر دیا اور بتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقام روح تک نیچے اترے ہیں جو نسبت اس مقام کی عالم اسباب سے بلند تر ہے۔''

مخالفین ایصال ثواب کے گھر کی گواہیاں

اب ہم امام الطائفہ کے اکابر و معتمدین و اساتذہ و مشائخ سے چند اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ بیباک روجان لیں کہ شریعت کے منع کیے بغیر ''فاتحہ'' کو حرام کہنا اور فاتحہ کے طعام ''بزرگان دین قدست اسرارہم کی نیاز کی شیرینی کو حرام و مردار کہنا کیسی سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے برے دن دکھاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ آپ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

(ایک دفعہ) حضرت رسالت پناہ ﷺ کی رحلت کے دنوں میں کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ کھانا پکا کر آپ کی نیاز دی جا سکے میں نے کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز دیا الخ ''درثمین فی مبشرات النبی الامین'' ہم اس بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں بائیسویں حدیث مجھے میرے والد ماجد نے بتایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ثواب پیش کرنے کے لیے کھانا پکایا کرتا تھا ایک سال مجھے کھانا تیار کرنے کے لیے کچھ نہ ملا صرف بھنے ہوئے چنے ملے میں نے وہی لوگوں میں تقسیم کر دیے میں نے نبی اکرم ﷺ کو شادمان و فرحاں دیکھا آپ کے سامنے وہی چنے تھے۔'' یہی شاہ صاحب'' انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں لکھتے ہیں کہ کچھ شیرینی پر عموماً خواجگان چشت کے نام فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کریں ہر روز اسی طرح پڑھیں'' لفظ ''شیرینی'' اور فاتحہ ہر روز ''قابل یادداشت ہے'' یہی شاہ صاحب ''ہمات'' میں فرماتے ہیں ''اسی لیے مشائخ کی عرسوں کی

پابندی اور ان کی قبور کی باقاعدہ زیارت اور ان کے لیے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کا التزام کیا جاتا ہے'' یہی شاہ صاحب زبدۃ النصائح میں مندرجہ فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ ''اگر میدہ اور کھیر بطور فاتحہ کسی بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں ہے جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کی نذر (صدقہ) کا طعام مالداروں کو کھانا جائز نہیں اور اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی گئی ہو تو اغنیاء کو بھی کھانا جائز ہے۔'' شاہ صاحب مرحوم انفاس العارفین میں رقم طراز ہیں کہ ''والد گرامی قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے ہوئے تھے رات کا وقت تھا اس وقت انھوں نے فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جاؤ ساتھی ٹھہر گئے حتیٰ کہ سب لوگ چلے گئے اور دوست پریشان ہو گئے اتنے میں ایک عورت آئی اور شیرینی کا تھال اس کے سر پر تھا اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا شوہر آ جائے تو میں اسی وقت یہ طعام پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ کے حاضرین کے پاس پہنچاؤں گی میرا شوہر ابھی اسی وقت آیا ہے میں نے نذر پوری کی میری آرزو تھی کہ اس جگہ کوئی موجود ہوتا کہ یہ طعام کھا لے۔'' مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں کہ ''حضرت امیر اور آپ کی ذریت طاہرہ کو تمام امت پیر و مرشد کی طرح مانتے ہیں اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ درود و صدقات اور نذر ان کے نام رائج و معمول ہے جیسے کہ تمام اولیاء سے یہی معاملہ ہے۔'' یہ عبارت سراپا بشارت جس کا ہر ہر حرف مخالف پر تباہ کن بجلی ہے' یا ہلاکت آفریں آندھی' یاد رکھنے کے قابل ہے............

پھر ہم مطلب کی طرف لوٹتے ہیں طائفہ حادثہ کے معلم ثالث مولوی خرم علی بلہوری ''نصیحتہ المسلمین'' میں کہتے ہیں۔ ''حاضری حضرت عباس کی' صحنک حضرت فاطمہ کی۔ گیارہویں عبدالقادر جیلانی کی۔ مالیدہ شاہ مدار کا۔ سہ منی بوعلی قلندر کی' توشہ شاہ عبدالحق کا اگر منت نہیں صرف ان کی روحوں کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو درست ہے۔ اس

نیت سے ہرگز منع نہیں اھ'' ملخصاً خود امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) تقریر ذبیحہ میں نغمہ سرا ہیں کہ ''اگر کوئی شخص گھر میں بکری کی پرورش کرے تاکہ اس کا گوشت خوب ہو جائے اسے ذبح کرے اور پکا کر حضرت غوث اعظم ﷺ کی فاتحہ پڑھ کر کھلا دے تو کچھ حرج نہیں ہے'' ''خواندہ بخوانند'' (فاتحہ پڑھ کر کھلا دے) کے لفظ قابل غور ہیں اس لیے کہ بہت سے منکرین اس بات کو بھی بنائے انکار بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھلانے اور قرآن مجید پڑھنے کو جمع کرنا ناجائز بھی ہو تب بھی کھانا کھلا کر پڑھنا چاہیے نہ کہ پڑھنے کے بعد کھلایا جائے اس لیے کہ یہ عبث اور باطل ہے اس باطل شبے کا جواب کامل ہم ''بارقہ شارقہ'' میں دے چکے ہیں اسی طرح لفظ ''غوث الاعظم'' بھی قابل یادداشت ہے اس لیے یہ ''تقویۃ الایمان'' کے ایمان کے مطابق شرک ہے طرفہ یہ کہ جاہل متبعین فاتحہ کے کھانے کو حرام اور مردار جانتے ہیں اور امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) اولیاء کی نذر کی گائے کے گوشت اور کھانے سب کو حلال کہتا ہے۔ بشرطیکہ ذبح سے میت کا تقرب مقصود نہ ہو اور صاف کہہ رہا ہے کہ جس جانور کو اولیاء کی نذر کیا گیا ہو چاہے وہ لوگ کئی طرح کی حرام وقبیح نذریں بھی مانیں پھر بھی جانور کی حلت میں کلام نہیں ہے (وہ جانور حلال ہے) چہ جائیکہ جب اولیاء کی نذر بہتر طریقے پر ہو بالخصوص جب بغیر نذر فقط ایصال ثواب ہو اس لیے کہ اس جگہ جانور کے ذبح کرنے اور خون بہانے میں کچھ اثر نہیں صرف قرآن مجید کا پڑھنا اور طعام کا صدقہ کرنا درمیان میں آ جاتا ہے تقریر ذبیحہ ہی میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص نذر مانے کہ میرا فلاں مقصد پورا ہو گیا تو اتنی نذر حضرت سید احمد کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام کی دونگا اور اتنا کھانا ان کی نیاز کا لوگوں کو کھلاؤں گا اگرچہ اس نذر میں گفتگو ہے لیکن طعام حلال ہے گوشت کا بھی یہی حکم ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد دو سیر گوشت سید احمد کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی نذر کے طور پر لوگوں کو کھلاؤں گا گوشت حلال ہے اور اگر کہے کہ گائے کا گوشت کھلاؤں گا تو بھی جائز ہے اور اگر اسی ارادے سے گائے

نذر کرے وہ بھی جائز ہے اس لیے کہ اس کا مقصود گوشت ہے اسی طرح اگر زندہ گائے سید احمد کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی کو دے جیسے نقد پیسے دیے جاتے ہیں جائز ہے اور اس کا گوشت حلال ہے۔'' اسی تقریر میں ہے کہ اگر اسی طرح گزشتہ اولیاء قدس اللہ سرہم کی نذر دے تو جائز ہے فرق اتنا ہے کہ عالم دنیا سے عالم برزخ کی طرف انتقال کی وجہ سے نقد جنس اور طعام سے نفع حاصل نہیں کر سکتے بلکہ فقط اس کا ثواب اللہ تعالیٰ ان کی ارواح مطہرہ کو پہنچا دیتا ہے لہٰذا ان کے حالات حیات اور بعد از وفات برابر ہیں'' پھر کہتے ہیں کہ ''اگر نذر مانے کہ میری حاجت بر آئی تو دو سالہ پلی ہوئی گائے حضرت غوث الاعظم کی نیاز دوں گا تو اس کا حکم وہی ہے جو کھانے کا حکم ہے اگر نذر اچھے طریقے سے ہے تو کچھ حرج نہیں اور اگر قبیح ہے تو فعل حرام ہے اور حیوان حلال۔'' گنتی میں غوث اعظم قطب اکرم ﷺ کی گیارھویں کے برابر گیارہ اقوال ہیں اور امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کے تین قول اس سے پہلے گزر چکے ہیں دو شاہ عبدالعزیز صاحب سے عنقریب آئیں گے اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔''

اوقات کا تعین

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد تیجا' چالیسواں' سالانہ وغیرہ کے اوقات کی تعین پر نہایت مدلل بحث فرمائی ہے۔

رہا اوقات کا مقرر کرنا جیسے کہ لوگوں میں رائج ہے مثلاً تیجا' چالیسواں' سالانہ اور ششماہی اس کے متعلق میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی امداد سے باطل شکنی کرتا ہوں کہ کسی کام کا وقت مقرر کرنا دو قسم پر ہے شرعی اور عادی۔ شرعی یہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کا وقت اس طرح مقرر کر دیا کہ دوسرے وقت میں بالکل نہ ہو سکے اور اگر ادا کیا جائے تو وہ شرعی عمل نہ ہو جیسے کہ قربانی کے خاص دن مقرر ہیں یا اس وقت سے تقدیم و تاخیر ناجائز ہو جیسے کہ اشہر الحرام (شوال ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ) حج کے احرام کے لیے (ان

اوقات سے قبل گو احرام جائز ہے لیکن مکروہ ہے (طحاوی) یا جو ثواب اس وقت میں ہے دوسری جگہ نہیں ہوگا جیسے کہ عشاء کے لیے رات کا پہلا تہائی حصہ۔ عادت یہ کہ شریعت کی طرف سے عام اجازت ہے جب چاہیں ادا کریں لیکن کام کرنے کے لیے کوئی زمانہ ضرور ہونا چاہیے غیر معین زمانے میں کام کا ہونا عقلاً ناممکن ہے اس لیے کہ وجود اور تعین لازم و ملزوم ہیں لہٰذا وقت معین کے بغیر چارہ نہیں اور یہ تمام معین اوقات عام اجازت کی بنا پر یکے بعد دیگرے صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک میں کام کر لیا جائے اگر ان سے کسی ایک وقت کو کسی مصلحت کی بنا پر اختیار کر لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اس وقت کے علاوہ یہ کام صحیح نہیں یا حلال نہیں یا ثواب نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ ایسی تقلید سے مقید مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہیں ہوگا اور جو حکم مطلق کا ہوگا وہی اس کے تمام افراد کا ہوگا جب تک کہ کسی فرد خاص کی خصوصاً ممانعت نہ ہو۔ لہٰذا ایسی جگہ جواز کے قائل سے خصوصیت کے ثبوت کی دلیل نہیں مانگنی چاہیے۔ بلکہ منع کرنے والے کو شریعت سے اس خاص کام کی ممانعت دکھانی چاہیے۔

دن مقرر کرنا سنت ہے

یہیں تعین یوم اور اوقات مقرر کرنے کے دلائل پیش کرتے ہوئے آگے چل کر امام اہل محبت الشاہ احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے طالب حق تو انھیں (منکرین کو) حد سے تجاوز اور سرکشی میں ہی رہنے دے اور آثار و احادیث کی طرف متوجہ ہو تاکہ ہم تمھیں کچھ تعینات عادیہ دکھائیں۔ اسی قسم میں سے ہے وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے شہداء احد کی زیارت کے لیے آخر سال کو مقرر فرمایا۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا اور مسجد قبا تشریف آوری کے لیے ہفتے کا دن مقرر فرمایا جیسا کہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے اور شکر رسالت کے طور پر روزہ رکھنے کے لیے پیر کا دن مقرر فرمایا۔ جیسا کہ مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہے اور ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کے لیے صبح و شام کا وقت جیسا کہ صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے اور سفر جہاد کے لیے جمعرات کا دن جیسا کہ بخاری شریف میں بروایت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہے اور طلب علم کے لیے دوشنبہ کا دن جیسا کہ ابوالشیخ ابن حیان اور دیلمی کے نزدیک بروایت ابن مالک سند صالح سے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ و نصیحت کے لیے جمعرات کا دن مقرر فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری میں بروایت ابی وائل اور علماء سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کا دن مقرر فرماتے ہیں جیسا کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی کتاب تعلیم المتعلم میں ہے انھیں امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے اپنے استاد سے روایت کیا اور کہا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسی طرح کرتے تھے صاحب تنزیہ الشریعۃ نے فرمایا اسی طرح اہل علم کرتے تھے یہ سب توقیت عادی کی مثالیں ہیں حاشا وکلا کہ سید السادات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی مراد یہ ہو کہ سوائے انتہائے سال کے زیارت نہیں ہوتی یا ناجائز ہے یا بندہ نوازی امت پروری اور اقدام مبارکہ سے شہدائے کرام کے مزارات کو شرف بخشنے سے جو اجر عظیم سرور عالم سید الکونین ﷺ کو عطا فرمایا جاتا ہے۔ دوسرے وقت میں نہیں عطا ہوگا۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہفتے کے علاوہ تقریر ہی نہ ہوگی یا ناجائز ہے یا دوسرے دن یہ ثواب نہ ملے گا یا شریعت مطہرہ نے یہ تعیین فرمائی ہے حاشا وکلا ہرگز یہ مقصد نہ تھا بلکہ آپ نے اس عادت کو اپنے اوپر لازم کیا تھا کہ ہر ہفتے میں مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرمائیں اور دن معین کرنے سے طالبان خیر کا جمع ہونا آسان ہوگا باقی امور میں بھی تعیین اسی طرح ہے ان میں سے بعض میں الگ مرجح موجود ہے جیسے پیر کے دن آپ کا مبعوث ہونا اور علم نبوت کا حاصل ہونا اور جمعرات کی صبح کا خیر و برکت والی ہونا اور بدھ کے دن ابتدا کرنے سے تکمیل کی توقع ہونا کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو چیز بدھ کے دن شروع کی جائے وہ مکمل ہو کر رہتی ہے بعض دیگر امور میں صرف ترجیح ارادی ہوتی ہے کہ اس میں کم از کم یاددہانی اور آسانی

والی مصلحت ضرور رہے تیجے' چالیسویں ششماہی اور انتہائے سال کی تعیین "عادی تعیین" ہی
کی قسم ہے بعض میں کچھ مصلحت خاص ہوتی ہے اور بعض میں یاددہانی اور آسانی کے پیش
نظرمعین کرنے کی عادت پڑگئی ہے۔ اصطلاح میں کسے اعتراض ہوسکتا ہے۔

ایصال ثواب کی وجہ

اس جگہ امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کے نسب میں چچا' علم میں باپ اور
طریقت میں دادا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کلام سننے سے
تعلق رکھتی ہے تفسیر عزیز میں آیہ مبارکہ والقمر اذا اتسق کے تحت فرماتے ہیں حدیث
میں وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں ڈوبنے والے کی طرح ہے جو کسی فریادرس کا منتظر رہتا
ہے اس وقت میں دعائیں' صدقے اور فاتحہ بہت مفید ہیں اسی وجہ سے لوگ ایک سال تک
خصوصاً مرنے کے بعد چالیس دن تک اسی قسم کی امداد کی پوری کوشش کرتے ہیں۔" کمال
یہ کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیران عظام اور آباء کے عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے
اور ان کے سامنے نیک لوگوں کی قبروں پر لوگ آپ کی تجویز و تائید سے جمع ہوتے فاتحہ
خوانی کرتے اور طعام و شیرینی تقسیم کرتے جیسا کہ عام سجادہ نشینوں میں جاری ہے مفتی
عبدالحکیم پنجابی نے شاہ صاحب پر وہی بے بنیاد اعتراضات کیے جو حضرات منکرین کرتے
ہیں اور شاہ صاحب پر زبان طعن و تشنیع دراز کی اور لکھا۔ وہ لوگ جن کے افعال ان کے
اقوال کے مطابق نہیں وہ اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر فرض کی طرح لازم جان کر
سال بہ سال قبر پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں طعام و شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو پرستش کردہ
شدہ بت بنا دیتے ہیں۔ اھ ملخصاً شاہ صاحب رسالہ ذبیحہ مطبوعہ زبدۃ النصائح میں اس طعن
کا جواب فرماتے ہیں قولہ عرس بزرگان خود الخ یہ طعن اس شخص کے حالات سے بے خبری پر
مبنی ہے جس پر طعن کیا گیا ہے اس لیے کہ کوئی شخص بھی مقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ کسی
چیز کو فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت' ان سے تبرک حاصل کرنا' ثواب اور

تلاوت قرآن کے ہدیہ سے ان کی امداد کر کے دعاء خیر کرنا اور طعام و شیرینی تقسیم کرنا بہتر
اور خوب ہے۔ علماء کے اتفاق سے اور عرس کے دن کو اس لیے معین کیا جاتا ہے کہ وہ دن
ان حضرات کے دنیا سے آخرت کی طرف انتقال کی یاددہانی کرتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ
عمل واقع ہو ذریعہ نجات و کامیابی ہے بعد والوں پر لازم ہے کہ اپنے سلف (وفات
شدگان) پر اس طرح کے احسان کریں پھر انتہائے سال کے تعین اور اس کے التزام پر شاہ
صاحب (حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی) نے حدیث شریف سے دلیل پیش کی کہ ابن
منذر اور ابن مردویہ نے انس بن مالک ؓ سے روایت کی کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم کان یاتی احدا کل عام فاذا ابلغ الشعب سلم علی قبور الشهداء
فقال سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار" یعنی حضور سید عالم ﷺ ہر سال احد
تشریف لے جاتے جب پہاڑ کے درے پر پہنچتے تو شہداء کی قبر پر سلام کہتے اور فرماتے تم
پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلامتی ہو دار آخرت کیا ہی اچھا ہے اور امام ابن جریر نے اپنی تفسیر
میں محمد بن ابراہیم سے روایت کی انھوں نے کہا "یعنی سرور دو عالم ﷺ ہر سال کے آخر میں
شہداء کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم آلایہ۔ آپ کے بعد حضرت
صدیق و فاروق اور ذوالنورین ؓ اسی طرح کرتے تھے اور تفسیر کبیر میں ہے۔ عن رسول
اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه کان یاتی قبور الشهداء راس کل حول فیقول
سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعه هکذا یفعلون" یعنی
حضور اقدس ﷺ ہر سال کے آخر میں مزارات شہداء پر جلوہ افروز ہوتے اور آیت مذکورہ
پڑھتے اسی طرح حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کرتے تھے الحاصل حق یہ
ہے کہ تخصیصات مذکورہ (تیجا چالیسواں) تمام تعینات عادیہ ہیں کہ ہرگز جائے طعن و ملامت
نہیں ہیں صرف اتنی بات کو حرام و بدعت کہنا واضح جہالت اور خطائے فاش ہے شاہ
عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی مرحوم نے اپنے

فتویٰ میں کیا خوب انصاف کی بات کہی ہے اس کی عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے (آپ سے) سوال (پوچھا گیا) بزرگوں کی فاتحہ میں کھانے کی تخصیص جیسے کہ امام حسین ﷜ کی فاتحہ میں کھچڑا اور شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ کی فاتحہ میں توشہ اسی طرح کھانے والوں کی تخصیص کا کیا حکم ہے (تو حضرت شاہ رفیع الدین نے) جواب (دیا کہ) فاتحہ و طعام بلاشبہ مستحسن ہے۔ تخصیص، تخصیص کا اختیاری فعل ہے جو منع کرنے کا باعث نہیں بن سکتا یہ تخصیصات عرفیہ اور عادیہ ہیں جو خاص مصلحتوں اور مخفی مناسبتوں کی بنا پر ابتداً ظاہر ہوئیں اور رفتہ رفتہ عام ہوگئیں الخ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں کوئی بھی دینی مصلحت نہ ہوتی تاہم مصلحت کے نہ ہونے کو خرابی کا ہونا لازم نہیں آتا کہ اس کام کا انکار کیا جاسکے ورنہ مباح کہاں جائے گا' امام احمد ﷫ مسند میں سند حسن سے ایک صحابیہ ﷝ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ وصیام السبت لالک ولا علیک ہفتے کے دن کا روزہ نہ تیرے لیے اور نہ تجھ پر علماء نے اس کی شروح میں فرمایا لالک فیہ مزید ثواب ولا علیک فیہ ملام ولا عتاب نہ تیرے لیے اس میں زیادتی ثواب ہے اور نہ تجھ پر اس میں ملامت وعتاب ہے واضح ہوگیا کہ اگر کسی مخصص کے بغیر تخصیص مفید نہیں تو نقصان دہ بھی نہیں (ہمارا بھی) یہی مقصد ہے ہاں ہر وہ عام آدمی (خاص آدمی صاحب علم ایسا گمان رکھے گا ہی نہیں) کہ اس تعین عادی کو تعیین شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان دونوں کے علاوہ ایصال ثواب ہو ہی نہیں سکتا یا جائز نہیں یا ان دونوں میں ثواب زیادہ ہے تو وہ غلط کار ہے جاہل ہے اور اس گمان میں جھوٹا اور خطاوار ہے لیکن صرف اتنا گمان معاذ اللہ اصل ایمان میں خلل پیدا نہیں کرتا اور نہ ہی قطعی عذاب اور یقینی وعید کا موجب ہے جسے کہ امام الطائفہ تقویت الایمان میں اعتقاد رکھتا ہے اور اس کی یہ کھلم کھلا جہالت اس عام آدمی کو جہالت سے بدرجہا بدتر ہے اس جاہل کا گمان جہالت وحماقت سے زائد نہیں مگر تقویت الایمان کا فیصلہ پرلے درجے کی گمراہی اور اعتزال ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید

اس جگہ بھی بے وقوفی کم عقلی اور خرد کی کمی میں امام الطائفہ کا حصہ ظاہر ہے انھیں یہ گزارش کی جائے گی کہ صاحب علم جاہل کی طرح نہیں ہوتا (عالم کی غلطی زیادہ قبیح ہوتی ہے)

محافل ایصال ثواب کے اصلاح طلب پہلو

اسی طرح عوام اور خصوصاً جہلاء نے ایصال ثواب کے بارے میں جو ناپسندیدہ امور پیدا کر رکھے ہیں مثلاً دکھلاوا۔ چرچا اور تفاخر مال داروں کو جمع کرنا اور فقراء کو منع کرنا اسے ہی تیجے میں ایک جماعت ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے اور تمام لوگ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور قرآن مجید سننے کے فریضے کو ترک کردیتے ہیں۔ تمام باتیں ممنوع، مکروہ اور ناروا ہیں علماء کو چاہیے کہ زائد خرابیوں پر لوگوں کو تنبیہ کریں نہ کہ زبان کی تیزی اور روانی کے سہارے سے اصل کام ہی کو ختم کردیں جیسے کہ اکثر عوام نماز میں خصوصاً نوافل جنھیں وہ تنہا ادا کرتے ہیں ارکان نماز کو آہستہ آہستہ ادا کرنے اور دیگر ممنوعات کے عادی بن جاتے ہیں اسی بناء پر انھیں نماز ہی سے نہ روکا جائے گا بلکہ ان ناپسندیدہ عادات سے روکنا اور ڈرانا چاہیے اور نماز ادا کرنے کا شوق و رغبت دلانا چاہیے یہ مختصر تقریر اور قول فیصل مخالفین کے خواص اور اس طرف کے بعض عوام دونوں کو ناگوار ہوگا لیکن کیا کیا جائے کہ حق یہی ہے اور حق سے راہ فرار نہیں اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت فرمانے والا ہے وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

محترم قارئین! خوب غور فرمایئے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر علم، تحقیق اور غیر جانبداری سے اصل مسئلہ واضح فرمایا ہے واقعی بدقسمتی سے ایصال ثواب کے نام پر بے شمار قباحتوں نے بھی آج کل رواج پکڑ لیا ہے "ناک کٹنے" کا خوف اس قدر دامن گیر ہوا جا رہا ہے کہ قرض کے پہاڑ تلے دب جانا تو منظور کرلیا لیکن قل خوانی اور چہلم کے موقع پر حلوے مانڈے، مرغ پلاؤ اور طرح طرح کے لوازمات کو چھوڑنا برداشت نہ کیا۔ اس طرح کے کیے گئے کام کا کتنا ثواب ہوگا؟ اور پھر

اس کا کیا ایصال ثواب کیا جائے گا۔

لہٰذا چاہیے یہ کہ جس کے پاس رقم ہے اور مرنے والے کا حصہ ہے تو بے شک جس قدر با آسانی خیرات کر سکتا ہے کرے لیکن جس کے پاس کچھ نہیں وہ خواہ مخواہ قرض لے کر اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے گھاٹے کے سودے میں مبتلا نہ کرے۔ مرنے کی محفل کو کسی دعوت کا رنگ نہ دیا جائے۔ بلکہ عبادات بدنی کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی جائے اور عبادات مالیہ میں سے بھی سب کے سب کھانے پکانے کے بجائے کچھ رقم تعمیری کام جیسے مدارس کا قیام، دینی طلبہ کی معاونت، غریب مریضوں کا علاج معالجہ، بیواؤں، یتیموں کی خدمت اور دینی کتب کی اشاعت وغیرہ۔ تاکہ عصری ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

قبرستان کے حوالے سے چند ہدایات

قبرستان میں حاضری اور مقابر و مزارات کی حفاظت و اصلاح شروع سے اسلام میں مشروع رہا ہے اس حوالے سے اہل علم کی تحقیق کی روشنی میں چند ہدایات پیش نظر رہنی چاہئے۔ مسلمان کی قبر کا احترام شرعاً لازم و واجب ہے فتاویٰ برکات العلوم میں شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"قبر مسلم کا احترام لازم واجب ہے قبور مسلمین کو منہدم کرنا یا ان کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح بلا ضرورت شرعی میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر قبر کو سیلاب میں بہہ جانے یا پانی سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے تو میت کو دوسری جگہ دفن کر سکتے ہیں لیکن جو صورت آپ نے بیان کی ہے کہ سارا قبرستان ہی سیلاب کی نذر ہو گیا ہے اور تمام قبریں بہہ گئی ہیں اب ان تمام قبروں کو دوسری جگہ بنانا تکلف مالا یطاق ہے جو شرعاً ضروری نہیں۔"

(فتاویٰ برکات العلوم)

رسول معظم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے، قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ موت یاد دلاتی ہیں۔ (مسلم) ایک اور ارشاد گرامی ہے، میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا کرتی ہیں۔ (ابن ماجہ) ابن ابی شیبہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ (شامی باب زیارۃ القبور)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت مستحب ہے اور محبوبان خدا کے مزارات کی زیارت تو اہتمام سے کرنی چاہیے جیسا کہ حضور ﷺ کا معمول تھا امام عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، حضور ﷺ جنت البقیع میں قبور کی زیارت کرتے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرماتے، یہ بھی بعد وصال کرامت کا ثبوت ہے کیونکہ اگر آقا ﷺ نہ جانتے کہ مومنوں کی قبور کے پاس دعا خصوصیت کے ساتھ قبول ہوتی ہے تو وہاں یہ دعا نہ مانگتے کہ اسئال اللہ لی ولکم العافیۃ یعنی میں اپنے اور تمہارے لیے عافیت مانگتا ہوں۔ مومنوں کی قبروں کی برکت سے دعا کا قبول ہونا بعد از وصال کرامات سے ہے یہ عام مومنوں کی قبور کے بارے میں ہے خواص، مقربین ومحبوبان خدا کی شان تو بہت بلند ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آتے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ولیہ ہیں تو وہاں بے موسم کے تازہ پھل پاتے، ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم و انعام دیکھ کر آپ نے ان کے پاس بیٹے کی دعا فرمائی۔ ارشاد ہوا، "یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو، بولا اے رب میرے! مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔" (آل عمران: ۳۸، کنزالایمان)

ان کی دعا فوراً قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت ہوئی اس کی تفسیر میں ہے، معلوم ہوا کہ ولی کے پاس دعا مانگنا نبی کی سنت

ہے اور وہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے خواہ زندہ ولی کے پاس دعا کرے یا ان کی قبروں کے پاس۔ (تفسیر نور العرفان)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ صالحین کے مزارات پر دعا کرنا جلد قبولیت کا باعث ہے۔ علماء وفقہاء جلد حاجت روی کے لیے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے دو نفل پڑھ کر ان کے مزار پر آتا ہوں اور ان کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں سوال کرتا ہوں تو حاجت جلد پوری ہوتی ہے۔ (الخیرات الحسان، تاریخ بغدادی)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص مزارات کی زیارت کے لیے جاتا ہے اولیاء کی برکت سے اسے روحانی امداد حاصل ہوتی ہے اور اکثر مشکلات بارگاہ الٰہی میں ان کی حرمت کے وسیلے سے دور ہو جاتی ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

اس موضوع پر تفصیلی دلائل جاننے کے لیے فقیر کی کتاب تصوف وطریقت ملاحظہ فرمائیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔'' (الحج: ۳۲، کنزالایمان)

قرآن کریم میں صفا ومروہ کی پہاڑیوں کو اور قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نشان قرار دے کر ان کی تعظیم وتکریم کو تقویٰ کی علامت فرمایا گیا ہے کیونکہ ان کو محبوبان خدا یعنی انبیاء کرام سے نسبت ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ ''اولیاء کرام کے مزارات بھی شعائر اللہ ہیں''، اس لیے ان کی تعظیم بھی مستحسن ومحمود ہے۔

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں، معظمات دینی کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے اور اولیاء کرام کے مزارات بلکہ عام مومنوں کی قبور بھی ضرور ادب وتکریم کی مستحق ہیں اسی لیے ان پر بیٹھنا ممنوع، چلنا ممنوع، پاؤں رکھنا ممنوع یہاں تک کہ ان سے تکیہ لگانا بھی ممنوع ہے۔ (احکام شریعت صفحہ ۶۸)

ایک سوال کے جواب میں فرمایا، قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے اور جس کے اقربا ایسی جگہ دفن ہوں کہ ان کے گرد اور قبریں ہوگئی ہوں اور اسے ان کی قبور تک دوسری قبروں پر پاؤں رکھے بغیر جانا ممکن نہ ہو وہ دور ہی سے فاتحہ پڑھے اور پاس نہ جائے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۸)

قبر کا پختہ کرنا اور اس کی بلندی

''قبر کا اندرونی حصہ پختہ نہ ہو البتہ اوپر کا حصہ پختہ کر دیں تو حرج نہیں۔'' (احکام شریعت صفحہ ۱۷۳)

''قبر ایک بالشت اونچی ہو کچھ خفیف زیادہ۔'' (عالمگیری، بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۰)

قبر پر چراغ جلانا

اکثر شب برات میں لوگ اپنے اقربا کی قبروں پر چراغ وغیرہ روشن کرتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ عین قبر پر چراغ رکھنا تو مطلقاً منع ہے اور قبر سے ذرا ہٹ کر چراغ جلانے کے جواز میں اعلیٰ حضرت امام نابلسی کے حوالے سے فرماتے ہیں، اگر وہاں مسجد ہے یا تلاوت یا ذکر الٰہی کرنے والے ہیں یا قبر راستے پر ہے یا یہ نیت ہو کہ گزرنے والے دیکھیں تو سلام وایصال ثواب سے خود بھی نفع پائیں اور میت کو بھی فائدہ پہنچائیں یا وہ کسی عالم باعمل یا ولی کا مزار ہے اور اس ولی کی تعظیم کے لیے روشنی کی تاکہ لوگ جانیں کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے اور وہاں دعا مانگیں تاکہ ان کی دعا قبول ہو تو یہ جائز ہے۔ (احکام شریعت ص ۷۰، ملخصا)

قبر پر اگر بتی جلانا

اگر بتی، لوبان وغیرہ قبر کے اوپر رکھ کر ہرگز نہ جلائیں کہ اس میں سوئے ادب اور بدفالی ہے ہاں قبر کے قریب خالی زمین پر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۸۵) اگر بتی وغیرہ سلگانا اسی صورت میں جائز ہے جبکہ وہاں کوئی ذاکر یا زائر ہو، اگر صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو منع ہے کہ اسراف ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۱)

مزار پر چادر چڑھانا

قبروں پر جوتے پہنے چلنا، وہاں فحش کلامی اور قہقہے لگانا وغیرہ اس طرح کی دیگر بے حرمتیاں دیکھ کر اہل علم وفضل نے مزارات اولیاء کو عام قبور سے ممتاز کرنے کی ضرورت محسوس کی تاکہ عوام کی نظر میں ہیبت وعظمت پیدا ہو اور وہ اولیاء کرام کی تحقیر وتوہین سے باز رہیں۔ ظاہر بین ظاہری زینت سے متاثر ہوتے ہیں اسی لیے علماء نے قرآن کریم کو سونے وغیرہ سے مزین کرنا مستحسن سمجھا ہے، خانہ کعبہ کے غلاف میں ایک بڑی حکمت یہی ہے۔ امام نابلسی فرماتے ہیں، اگر عوام کی نگاہ میں مزارات اولیاء کی تعظیم پیدا کرنی مقصود ہوتا کہ جس مزار پر چادر اور عمامہ رکھا دیکھیں اسے ولی کا مزار جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں اور غافل زائرین کے دلوں میں خشوع وادب آئے جن کے دل زیارت کے وقت ادب کے لیے نرم نہیں ہوتے تو چادر ڈالنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی ہو کہ بدلنے کی حاجت ہو تو مزید چادر چڑھانا فضول ہے بلکہ جو دام اس میں صرف کریں وہ اس ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لیے محتاج کو دیں۔ (احکام شریعت ص ۷۱، ۷۲ ملخصاً)

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ کسی بزرگ کے مزار پر چادر چڑھانے کے لیے کچھ لوگ جلوس کی صورت میں نکلتے ہیں وہ چادر لے کر ڈھول باجے کے ساتھ ناچتے کودتے

اور چندہ مانگتے جاتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ ایسی بری رسوم سے عوام کو منع کریں۔

قبر کا طواف اور بوسہ

مزار کا طواف تعظیمی ناجائز ہے کیونکہ طواف تعظیمی صرف خانہ کعبہ کے لیے مخصوص ہے۔ مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے۔ بعض علماء نے اسے جائز کہا ہے مگر بچنا بہتر ہے اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ آستانہ بوسہ میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہ آئی۔ ہاتھ باندھے الٹے پاؤں آنا ایک طرز ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں ہاں اگر اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۸)

سجدہ تعظیمی

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ تعظیمی کی حرمت کے متعلق آیت قرآنی کے علاوہ چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو فقہی حوالوں پر مشتمل ایک کتاب "الزبدۃ الزکیۃ التحریم سجود التحیۃ" تحریر فرمائی، اس کے آغاز میں فرماتے ہیں، اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ مولیٰ تعالیٰ عزوجل کے سوا کسی کے لیے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً شرک وکفر ہے اور سجدۂ تعظیمی یقیناً حرام وگناہ کبیرہ ہے۔

قوالی

مروجہ قوالی ناجائز ہے، صوفیہ اور بزرگوں سے جو سماع منسوب کیا جاتا ہے وہ مروجہ سماع نہیں ہے۔ قوالی ان شرائط کے ساتھ جائز ہے اول: قوالی کہنے والا باشرع ہو، دوم: شرکاء محفل غیر فاسق ہوں، سوم: ان میں کوئی نااہل نہ ہو، چہارم: وہاں کوئی لڑکا یا عورت نہ ہو، پنجم: اشعار خلاف شرع نہ ہوں، ششم: قوال کی نیت اجرت لینے کی نہ ہو، ہفتم: لوگ لہو ولعب اور لذت نفس کی نیت سے جمع نہ ہوں۔

عرس: اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ایسا عرس جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، شرکیہ امور اور فسق و فجور کا ارتکاب نہ ہو، کھیل تماشے اور رقص و سرود و موسیقی نہ ہو، جائز و درست ہے کیونکہ محفل عرس کا مقصد تو ایصال ثواب، فاتحہ و قرآن خوانی ہے۔ (موہب ارواح القدس لکشف حکم العرس صفحہ ۵ ملخصا)

صدر الشریعہ لکھتے ہیں، اولیائے کرام کے مزارات طیبہ پر سفر کر کے جانا جائز ہے وہ اپنے زائر کو نفع پہنچاتے ہیں اور اگر وہاں کوئی برائی ہو مثلاً عورتوں سے اختلاط وغیرہ تو اس کی وجہ سے زیارت ترک نہ کی جائے کیونکہ ایسی باتوں سے نیک کام ترک نہیں کیا جاتا بلکہ اسے برا جانے اور ممکن ہو تو بری بات زائل کرے۔ (بہار شریعت حصہ ۴ ص ۱۳۲، ردالمحتار)

قبر کے سامنے نماز پڑھنا

ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ قبر آگے ہو منع و ناجائز ہے اور اس فعل میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت بھی ہے یہود و نصاریٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بخاری شریف کی حدیث میں حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا ہے خدا کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر **اتخذوا قبور انبیاء هم مساجد** کو مساجد بنایا اور قبور انبیاء کو مساجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کو بطور تعظیم سجدہ کیا جائے یا اسے قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھی جائے یا قبروں کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش کی جائے...... یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا اور ان کے اسی فعل پر حضور نبی کریم علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے چنانچہ فتح الباری شرح بخاری میں علامہ عسقلانی علیہ الرحمہ نے یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ (فتاویٰ برکات العلوم)

عورتوں کا قبور پر جانا

اگرچہ اس حوالے سے اسی کتاب کے ابتدائی حصے میں قبل ازاں ایک مفصل بیان ہو چکا ہے اس حوالے سے عورتوں کے لیے بعض علماء نے زیارت قبور کو جائز بتایا، در مختار

میں یہی قول ہے مگر عزیزوں کی قبور پر جائیں گی تو رونا پیٹنا کریں گی لہٰذا ممنوع ہے اور صالحین کی قبور پر برکت کے لیے جائیں تو بوڑھی عورتوں کے لیے حرج نہیں اور دوسروں کے لیے ممنوع۔ (ردالمحتار) اور سلامتی اسی میں ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں۔ (بہار شریعت حصہ ۴ ص ۱۳۲ بحوالہ فتاویٰ رضویہ)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فرماتے ہیں، جب صحابہ و تابعین کرام کے خیر و برکت والے زمانوں میں عورتیں مسجدوں میں جانے اور نماز باجماعت میں شریک ہونے سے منع کر دی گئیں حالانکہ دین اسلام میں دونوں کی شدید تاکید ہے تو کیا اس برائیوں کے زمانے میں فیوض و برکات کے حصول کے حیلے سے عورتوں کو قبروں کی زیارت کی اجازت دی جائے گی جس کی شریعت میں کوئی تاکید نہیں؟...... پھر عمدۃ القاری شرح بخاری کے حوالے سے فرماتے ہیں، عورتوں کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ نکلنا ایک حرام کا سبب ہے اور جو کام حرام تک پہنچانے والا ہو وہ حرام ہی ہے۔ (جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور)

مزار پر حاضری کا طریقہ

مزار شریف پر پاؤں کی طرف سے حاضر ہو اور چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو کر باادب سلام عرض کرے، السلام علیک یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ پھر تین بار درود شریف، ایک بار سورہ فاتحہ، ایک بار آیۃ الکرسی، سورہ اخلاص اور پھر ۳ بار درود شرف پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے، یا اللہ! اس تلاوت پر اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ کہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے، اور اسے میری طرف سے اس مقبول بندے کو اور تمام مسلمانوں کو پہنچا، پھر اپنی جو جائز شرعی حاجت ہو اس کے لیے صاحب مزار کے وسیلے سے دعا کرے، پھر اسی طرح سلام کر کے واپس آئے دوران زیارت مذکورہ بالا آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۲، بتصرف)

طعام میت کے بارے میں امام اہل سنت کا فتویٰ

کسی مسلمان کے انتقال پر اس کے یہاں عزیز و اقارب و دیگر احباب جمع ہوتے ہیں ان کے میت کے اہل خانہ کا کھانے پینے کا اہتمام کرنا جائز نہیں، اعلیٰ حضرت نے اس کی چار وجوہ بیان کی ہیں۔ اول دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے موقع پر۔ نیز اہل میت کو غم و اندوہ کے باعث کھانے کا اہتمام کرنا دشوار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام اہل میت کے یہاں ٹھہرے رہیں اور دعوت طعام کو میت کے لیے نوحہ کی مثل سمجھتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں موجود ہیں۔ دوم: اگر ورثاء میں سے کوئی نابالغ ہے تو اسکا مال خرچ کرنے کا اختیار کسی کو نہیں اور اگر کوئی وارث موجود نہیں تو اس کے مال میں بغیر اس کی اجازت تصرف کرنا جائز نہیں لہٰذا کوئی بالغ اپنے ذاتی مال سے خرچ کرے یا ترکہ سے کرے جبکہ سب ورثاء بالغ موجود و راضی ہوں۔ سوم: وہاں عزیزوں کی عورتیں جمع ہوتی ہیں جو اکثر ناجائز کام کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا بناوٹ سے منہ ڈھانکنا وغیرہ یہ سب نوحہ کرنا ہے جو کہ حرام ہے۔ ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں کا بھی کھانا بھیجنا جائز نہیں۔ چہارم: اکثر لوگوں کو اس بری رسم کے باعث جاہلوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے اپنی طاقت سے زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض اس کے لیے قرض لیتے ہیں ایسا تکلف تو شریعت کو مباح کام کے لیے بھی پسند نہیں چہ جائیکہ ایک ممنوع رسم کے لیے ایسا کیا جائے۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ایسی بری رسوم کو جن سے ان کے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے فوراً چھوڑ دیں اور بیہودہ طعنوں کا ہرگز خیال نہ کریں۔

صرف ایک دن یعنی پہلے روز ہی عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور بہ اصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے لیے ہونا سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۰، ملخصاً)

قبر کے قریب مسجد

قبرستان میں یا قبر کے قریب جو مسجد بنی ہوئی ہے وہ شرعاً صحیح و درست ہے مسجد نبوی شریف کے ایک طرف حضور سرور عالم ﷺ کا روضہ اقدس ہے مسجد اقصیٰ کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں ارشادِ خداوندی ہے۔ الذی بارکنا حولہ۔ جس کے گرد اگرد ہم نے برکت رکھی اور یہ برکت یہ بھی ہے کہ اس کے گرد اگرد انبیاء کرام کے مزارات ہیں۔

بہرحال قبرستان کے قریب یا کسی قبر کے پاس مسجد بنانا جائز ہے۔ البتہ قبر کو سجدہ کرنا حرام و گناہ ہے اور قبر سامنے ہو اور نمازی اور قبر کے درمیان بقدر ستر کوئی چیز حائل نہ ہو تو نماز مکروہ تحریمہ قرار پائے گی۔ (عالمگیری، غنیۃ، بحوالہ فتاویٰ برکات العلوم)

احادیث مبارکہ اور تدفین میت

مشکوٰۃ شریف میں تدفین میت کے حوالے سے احادیث مبارکہ موجود ہیں چند ملاحظہ فرمائیں:۔

عن عامر بن سعد بن ابی وقاص ان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فی مرضہ للذی ھلک فیہ الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع برسول اللہ ﷺ.
(رواہ مسلم)

''عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے اپنی اس بیماری میں کہا جس میں انہوں نے وفات پائی میرے لیے لحد بنانا اور کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسے رسول اللہ ﷺ کے لیے کیا گیا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جعل فی قبر رسول اللہ ﷺ قطیفۃ حمراء. (رواہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر میں ایک سرخ لوئی (چادر) ڈالی گئی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وعن سفیان التمار رضی الله تعالیٰ عنه انه رای قبر النبی ﷺ مسنما. (رواه البخاری)

سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمار سے روایت کرتے ہیں کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر دیکھی ہے کہ وہ مسنم تھی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

وعن ابی الهیاج الاسدی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال لی علی الا ابعثک علی مابعثنی علیه رسول الله ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته. (رواه مسلم)

ابو الہیاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسدی سے روایت کرتے ہیں کہا مجھ کو حضرت علی نے کیا میں تجھ کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ تو کوئی تصویر نہ چھوڑ مگر اس کو مٹا دے اور نہ بلند قبر مگر اس کو برابر کر دے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وعن ابی مرثد ن الغنوی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیها. (رواه مسلم)

ابو مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وعن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لان یجلس احد کم علی جمرة فتحرق ثیابه فتخلص الی جلده خیر له من ان یجلس علی قبر. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا البتہ ایک تمہارا آگ کے دہکتے انگارے پر بیٹھے وہ اس کے کپڑے جلا دے اور اس کی کھال تک پہنچے اس بات سے بہتر ہے کہ قبر پر بیٹھے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

عن عروة بن الزبیر قال کان بالمدینة رجلان احدهما یلحد والاخر لا یلحد فقالوا ایهما جاء اولا عمل عمله فجاء الذی یلحد فلحد لرسول الله ﷺ. (رواه فی شرح السنة)

عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر سے روایت ہے کہ کہا مدینہ میں دو آدمی تھے ان میں سے ایک لحد بناتا تھا اور دوسرا لحد نہ کرتا تھا۔ صحابہ نے کہا ان میں سے جو پہلے آ گیا اپنا کام کرے گا۔ وہ شخص آیا جو لحد کرتا پس اس نے نبی ﷺ کے لیے لحد تیار کی۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اللحدلنا والشق لغیر نا رواه الترمذی وابوداؤد النسائی و ابن ماجة ورواه احمد عن جریر بن عبدالله.

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے غیر کے لیے۔ روایت کیا اس کو ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے اس کو احمد نے جریر بن عبداللہ سے۔

وعن هشام بن عامر ان النبی ﷺ قال یوم احدن احفروا واو سعوا واعمقوا واحسنوا واد فنوا الاثنین والثلثة فی قبر واحد وقدموا اکثر هم قرانا رواه احمد والترمذی وابوداؤد

والنسائی وروی ابن ماجة الی قوله واحسنوا.

ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی ﷺ نے احد کے دن فرمایا فراخ قبریں کھودو اور گہرا کرو اور اچھا کرو اور دو دو اور تین تین ایک قبر میں دفن کرو اور آگے اس کو رکھو جس کو قرآن زیادہ یاد ہو روایت کیا اس کو احمد، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے اور روایت کیا ابن ماجہ نے احسنوا کے لفظ تک۔

وعن جابر قال لما کان یوم احد جاء ت عمتی بابی لتد فنه فی مقابر نا فنادی منادی رسول الله ﷺ ردوا القتلی الی مضاجعهم. (رواه احمد والترمذی وابو داود والنسائی والدارمی ولفظه للترمذی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن میری پھوپھی میرے باپ کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کے لیے لے آئی۔ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شہیدوں کو ان کے شہید ہونے کی جگہ سے واپس لوٹا دو۔ روایت کیا ہے اس کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی دارمی نے اور اس کے لفظ ترمذی کے لیے ہیں۔

وعن ابن عباس قال سُلَّ رسول الله ﷺ من قبل رأسه. (رواه الشافعی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا نبی ﷺ اپنے سر مبارک کی جانب سے نکالے گئے۔ (روایت کیا اس کو شافعی نے)

وعنه ان النبی ﷺ دخل قبر الیلا فاسرج له بسراج فاخذ من قبل القبلة وقال رحمک الله ان کنت لاواها تلاء للقرآن رواه الترمذی وقال فی شرح السنة

اسی (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہا بے شک نبی ﷺ ایک قبر میں رات کے وقت داخل ہوئے ایک دیئے کے ساتھ آپ کے لیے روشنی کی گئی۔ آپ نے اس کو جانب قبلہ سے لیا اور فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے تو بہت نرم دل اور قرآن بکثرت پڑھنے والا تھا۔

وعن ابن ابی ملیکة قال لما توفی عبدالرحمن بن ابی بکر بالحبشی وهو موضع فحمل الی مکة فدفن بها فلما قدمت عائشة اتت قبر عبدالرحمن بن ابی بکر فقالت

وکنا کنه مانی جذیمة حقبة
من الدهر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا
لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

ثم قالت والله لو حضرتک ماذفنت الا حیث مت ولو شهدتک مازرتک. (رواه الترمذی)

ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہا جس وقت عبدالرحمٰن بن ابی بکر فوت ہوئے حبشی مقام میں ان کو مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔ جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں آئیں حج کے لیے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر پر آئیں اور کہا:

ہم جذیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو ہمنشینوں کی طرح تھے زمانہ کی مدت دراز تک یہاں تک کہ آ گیا ہرگز نہ جدا ہونگے پس جب ہم جدا ہو گئے گویا میں اور مالک باوجود مدت دراز تک اکٹھا رہنے کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات اکٹھے نہیں گذاری پھر کہنے لگیں اگر میں وہاں موجود ہوتی تو وہیں دفن ہوتا جہاں فوت ہوا تھا اور اگر میں حاضر ہوتی تیری وفات کے وقت تو تیری زیارت کے لیے نہ آتی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

وعن ابی رافع قال سل رسول الله ﷺ سعداً ورش علی

قبره ماء. (رواه ابن ماجة)

ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سعد کو رسول اللہ ﷺ نے سر کی جانب سے نکالا اور اس کی قبر پر پانی چھڑکا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

وعن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ على جنازة ثم اتى القبر فحثى عليه من قبل راسه ثلاثا. (رواه ابن ماجة)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی پھر قبر کے پاس آئے اور سر کی طرف سے تین لپ مٹی ڈالی۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

وعن عمرو بن حزم قال رانى النبى ﷺ متكا على فقال لا تؤذه. (رواه احمد)

عمر بن حزم رضی اللہ سے روایت ہے کہ کہا نبی ﷺ نے مجھ کو ایک قبر پر ٹیک لگائے دیکھا فرمایا اس کو ایذا نہ دے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

حرف آخر